۴۸۱

اولئک الذین لعنہم اللہ ومن یلعن اللہ فلن تجد لہ نصیرا (پارہ ۵ رکوع ۵)

یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا لعنت کرتا ہے۔ اور جن پر خدا لعنت کرے ان کا مددگار تم کسی شخص کو بھی نہیں پاؤ گے

الحمد للہ

کہ

رسالہ

فیصلہ تبراء

جسمیں شہر جونپور (صوبہ متحدہ) کے مشہور مقدمہ تبراء کا نہایت مطابق عقل و انصاف فیصلہ

تجویز کردہ

عالیجناب ٹھاکر پرشاد دوبے صاحب بہادر ایم اے ال ال بی منصف جونپور

نقل کیا گیا ہے

مع ضمیمہ

از ناقل

سید آغا جعفر نقوی کھجوی

۱۹۳۰ء

دفتر اصلاح کھجوا صوبہ بہار سے شائع ہوا

قیمت ۸/

فہرست مضامین

مقدمہ استقرار حق جون پور کا فیصلہ

حضرت علی اسلام کی امامت کیلئے سب سے زیادہ مستحق اور قابل تھے

حضرت عائشہ نے رسول کی محبوب بیوی کی حیثیت [illegible] اثر سے کام لیا اور اپنے باپ کے انتخاب کو محفوظ کرلیا اور حضرت علی کے حقوق کو پائمال کردیا۔ شیعوں کا [illegible] حسین علیہ السلام یا پہلے تینوں خلفاء پر نفرین کرنا اور لعنت بھیجنا اُن کے پختہ ایمان و اعتقاد کے [illegible] ہے۔

اگر شیعہ خلفاء ثلثہ پر شاہراہ عام [illegible] سے لعن بھیجتے ہیں کہ سنا جاسکے تو اُن کو ایسا کرنے کا [illegible] حق ہے

(منصف صاحب جونپور کی تجویز کا مکمل ترجمہ) منقول [illegible] لکھنؤ ۵ شعبان ۱۳۵۷ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۳۸ء

{ ذیل میں ہم اس تجویز کا ترجمہ نقل کرتے ہیں [illegible] منصف صاحب جونپور نے تبرا کے استقرار حق کے مقدمہ میں جو شیعیان جونپور کی طرف سے دائر ہوا تھا [illegible] جولائی ۱۹۳۸ء کو صادر کیا ہے مضمون کو ر بالا کی سرخیاں بھی اسی عدالتی فیصلہ سے اخذ کی گئی ہیں۔ ان میں ایک لفظ بھی ہماری یا کسی کی طرف سے گھٹایا بڑھایا نہیں گیا ہے۔ }

مقدمۂ استقرار حق شیعیان جون پور کا فیصلہ

اگر شیعہ خلفاء ثلثہ پر شاہراہ عام پر اسطرح

لعن بھیجتے ہیں کہ سنا جاسکے تو ان کو ایسا کرنیکا پورے طور پر حق ہے

منصف صاحب جون پور کی تجویز کا مکمل ترجمہ

بعدالت جناب پنڈت ٹھاکر پرشاد دوبے صاحب بہادر ایم اے۔ ال ال بی منصف جون پور مقدمہ نمبر ۵۶۵ سنہ ۱۹۳۶ء سید علی محمد وغیرہ مدعیان بنام مولوی علی حسن وغیرہ مدعاعلیہم تجویز نجوزہ پنڈت ٹھاکر پرشاد دوبے صاحب بہادر ایم اے ال ال بی منصف جون پور۔ بتاریخ ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۳۷ء

تجویز

یہ ایک بہت مشہور مقدمہ ہے جو کہ شیعہ اور سنی کے باہمی سخت ترین تنازعات اور بدترین بد دلی کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا ہے شیعہ اور سنی ضلع کی مسلم آبادی کے دو بڑے فرقے ہیں اور ان دونوں سے مسلسل نقض امن عامہ سرزد ہوتا رہا ہے اور حال ہی میں ایک نہایت سخت اور اہم بلوہ بھی ہوا ہے اس مقدمہ میں مدعی شیعیان جونپور اور مدعا علیہ سنیان جونپور ہیں۔

مدعی کا دعویٰ ہے کہ وہ باشندگان جون پور ہیں اور مذہب شیعہ سے تعلق رکھتے ہیں جنکا اصول خاص کہ اہلبیت کی انتہائی محبت و عزت کرنا ہے (اہلبیت سے خاندان رسالت اور خصوصًا حضرت علیؓ اور اُن کے دو صاحبزادے حضرت حسنؑ اور حسینؑ ہیں) یہ اسکے اعتقاد کا خاص جز ہے کہ امام حسینؑ کا اسلامی حق خلافت ظالمانہ اور غاصبانہ طور پر نہیں مانا گیا اور یزید نے جو کہ بنی امیہ کے خاندان سے تھا غصب کر لیا اور حضرت حسینؑ کا قتل کربلا کی لڑائی میں اتنا نا منصفانہ اور وحشیانہ تھا کہ تاریخ اسلام میں اسکی نظیر نہیں ہے اسوجہ سے دنیا کے ہر حصہ میں جہاں پر کہ یہ لوگ رہتے ہیں یا اُن کی آبادی کا بڑا جز ہے صدیوں سے

کیا اثر ہوتا ہے۔

(۴) آیا مدعیان کو کوئی بنائے مخاصمت اس مقدمہ کیلئے ہے یا نہیں۔

(۵) اگر کوئی حق ہے تو مدعیان کس حق کے پانے کے مجاز ہیں۔

تجویز

تنقیحات۔ ۱ و ۲۔ اس مقدمہ میں فریقین کے اختلافات اور اصل معاملہ کے متعلق ان کے نظریوں کو صحیح طور پر معلوم کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ تاریخ اسلام کا وہ حصہ جہاں پر کی اصلیت اور دونوں فرقوں کے اختلافات مندرج ہیں بہت مختصر طور پر بیان کئے جائیں۔

حضرت علی خلیفہ کیوں نہیں ہوئے

دونوں فریق جناب رسالتمآب محمد پر اور ان کے مواعظ اور احکامات پر پختہ اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کا اعلان کرتے ہیں اسی طرح دونوں کا پختہ اعتقاد قرآن پر بھی ہے رسالتمآب کے انتقال کے وقت تک وہ اسلام جس کی تبلیغ رسول نے کی تھی اس کے سچے معتقدین میں کوئی اختلاف نہ تھا ان کے انتقال کے بعد محقق ترین سوال جو کہ اسلامی دنیا کے سامنے آیا وہ ان کے جانشین کا تقرر تھا جو کہ خلیفہ یا سلطنت اسلام کا مذہبی وسیاسی سردار کہا جانے والا تھا اپنی وفات کے بعد نبی نے اپنی بیوہ حضرت عائشہ اور اپنے محبوب ترین بھائی و داماد حضرت علیؓ کو جن کی شادی ان کی اکلوتی بیٹی جناب فاطمہ سے ہوئی تھی اور اپنے دونوں نواسوں حسنؑ اور حسینؑ کو جو کہ حضرت علیؑ اور جناب فاطمہ کے بیٹے تھے چھوڑا ان کے علاوہ اہلبیت میں سے ان کے انتقال کے بعد کوئی نہ تھا جیسا کہ مسٹر جسٹس آرنلڈ نے بمبئی ہائیکورٹ کے ایک ہم خوجہ کیس کی تجویز میں تحریر کیا ہے کہ اسلام کی عام توقع یہ تھی کہ حضرت علی جو کہ نبی کے شاگرد اولین اور محبوب صحابی اور ان کی اکلوتی بیٹی جناب فاطمہ کے شوہر تھے خلیفہ ہوں گے لیکن ایسا نہیں ہوا جناب رسالتمآب کی نوجوان اور محبوب بی بی عائشہ نے جو کہ علی و فاطمہ کی لاگی دشمن تھیں اپنے باپ جناب ابوبکر کا اپنے اثر سے انتخاب کرا دیا وہ (حضرت علی) مستحق تھے کہ ان پر پورا اعتقاد رکھا جائے کیونکہ وہ اپنے زمانہ کی بہادر ترین

ہستیوں کے مقابلہ سے بالاتر تھے اتنا بہادر و عقلمند عالی ہمت منصف صاحب ایثار لہ تاریخ میں کوئی اور ہستی بہت مشکل سے ان پر سبقت لیجا سکتی ہے۔ اس کے ساتھ نبی خدا کی اکلوتی بیٹی کے شوہر اور انکے دونوں صاحبزادے حسن اور حسین نانا کے محبوب ترین ہستیاں جو کہ مجمع عام میں سید اشباب اہل الجنۃ کا خطاب پا کے ہوئے تھے اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت علی ان آدمیوں میں سے تھے جنھوں نے کہ رسول کی تمام زندگی میں ہر اس کام میں جن کو کہ رسول نے کیا یا کرنا چاہتے تھے ساتھ دیا جیسا کہ مجھکو مسلم اور غیر مسلم تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی رسالت مآب کے ناگزیر ساتھی تھے اپنے معاملات میں رسالتمآب کے ساتھ ان کا وہی انداز تھا۔ جو با رسول کا جانشین کے ساتھ تھا۔ یہ صحیح طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؑ رسالتمآبؐ کی طاقت کو مخصوص مستحکم کرنے والے تھے۔ کونسل آف پیمبر میں عقلمند اور میدان جنگ میں بہادر سپاہی تھے۔ انھیں کی تلوار سے خندق۔ احد۔ بدر۔ اور خیبر کی اہم فتوحات ہوئیں اگر یہ فتوحات نہ ہوتیں تو جناب رسالتمآب کی تبلیغ و مشن بالکل ابتدا ہی میں پامال ہو جاتی اور دنیا سے ایسی اصلاح جو تاریخ انسانیت میں بے مثال تھی ضائع ہو جاتی جناب رسالتمآب کی دنیاوی طاقت حضرت علی کے مستحکم کرنے کی بدولت اس قابل ہوئی کہ اسلام کا پیام عالمت طفولیت میں دیا جاوے اس وجہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

حضرت علی سب سے زیادہ مستحق و قابل تھے

حضرت علیؑ اسلام کی امامت کے لئے سب سے زیادہ مستحق اور سب سے زیادہ قابل تھے۔ رسالتمآب سے خاندانی تعلقات کی بنا پر بھی اور اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے بھی کہ وہ رسالت مآب کے مخلص ترین دوست اور ساتھی تھے اور شیعہ اس بات کا یقین کرتے ہیں کہ اگر صاف اور کھلا ہوا انتخاب ہوتا تو حضرت علیؑ جیت گئے ہوتے۔ دوسری وجہ ان کے استحقاق خلافت کی یہ ہے کہ خود نبیؐ نے اپنی دوران زندگی میں دنیا کے سامنے کھلے بندوں حضرت علیؑ کی جانشینی کے متعلق اپنی خواہش کا اظہار کر دیا تھا۔ میں ذیل کی عبارت ہسٹری آف محمڈن امپائر صفحہ ۱۱ مصنفہ میجر پرائس سے نقل کرتا ہوں "مکہ سے آنے کے وقت اس

موقع پر رسول اللہ کے افعال سے حضرت علیؑ کی نسبت ایسے اشارہ اخذ ہوتے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ حضرتؑ علیؑ کو کم از کم اس (روحانی) عزت وحرمت کا جانشین کرنا چاہتے تھے جو ان (رسول) کے تابعین کے دلوں میں تھی خواہ دنیاوی طاقتوں کا تمام عزتوں میں وہ جانشین نہ کر سکیں۔

واقعہ غدیر اور حضرت علیؑ کا استحقاق خلافت

اپنے سفر کی ایک منزل کے اختتام پر غدیر خم کے موقع پر درختوں کے ایک جھنڈ کے نیچے پالان شتر سے ایک منبر بنوایا اور مجمع کو جمع کیا جناب رسالتمآب داہنی طرف حضرت علیؑ کو لئے ہوئے منبر پر تشریف لیگئے اور مجمع کو مخاطب کر کے کہا .... تب اونھوں نے کہنا شروع کیا کہ ہر اس شخص کو جن کے نزدیک میں محبوب ہوں علیؑ ابن ابیطالب کو بھی ویسا ہی سمجھنا چاہیئے۔ تب اونھوں نے حضرت علیؑ کو منبر پر بلند کرنے کیلئے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا اور ایسا ہونے میں حضرت علیؑ نے اپنے پیروں کو رسالتمآب کے گھٹنوں پر رکھدیا پھر جب اپنے خطبہ میں رسالتمآب نے یہ فرمایا کہ اس بڑے مجمع میں جو لوگ کہ مجھ کو اپنا بادشاہ اور مالک تسلیم کرتے ہیں ویسا ہی حضرت علیؑ کے بارہ میں بھی بلا پس و پیش خیال کریں اس کے بعد اونھوں نے خود خدا سے جب علیؑ کو دوست رکھنے اور ان لوگوں سے جو علیؑ کے دشمن تھے ہمیشگی کی دشمنی رکھنے کی پرخلوص دعا کی اسکے بعد رسالتمآب اپنے خیمہ میں تشریف لیگئے اور حضرت علیؑ کو اس خیمہ میں جانے کی ہدایت کر گئے جہاں پر کہ تمام مجمع خلافت کی اس عام اور مبارک نامزدگی پر مبارکباد دینے کیلئے جمع ہوا تھا۔ ہم کو یہ نوٹ کرنا ہے کہ میجر پرائس تاریخ اسلام کے ابتدائی زمانہ کے مشہور و مستند مصنف ہیں اس سند سے حضرت علیؑ کا تخت خلافت کا استحقاق بہت بلند ہوجاتا ہے اور محفوظ بنیادوں پر آجاتا ہے حضرت علیؑ کی بدقسمتی یہ تھی

ــــ۵ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ کا منشا حضرت علیؑ کو روحانی و سیاسی دونوں طرح کا جانشین بنانا مقصود تھا لیکن اگر لوگ ان کی عزت سیاسی معاملات میں پوری طور پر نہ کریں تو کم از کم روحانی سرداری کی ہر عزت حضرت علیؑ سے وابستہ رہے۔

کہ وہ اپنے عادات میں بہت سادہ تھے اطوار میں خودنمائی نہ تھی اور وہ اپنے حقوق پر اڑتے نہ تھے۔ رسالتمآب کے انتقال کے بعد حضرت علیؑ ان کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے اور اسی دوران میں عائشہ نے رسالتمآب کی محبوب بیوہ کی حیثیت سے پورے اثر سے کام لیا اور اس وقت اپنے باپ کے انتخاب کو محفوظ کر لیا۔ ان کی دوسری بدقسمتی حضرت عائشہ کی ناخوشی کا برانگیختہ کرنا تھا۔ حضرت عائشہ اس وقت خاندان رسالتمآب میں نمایاں فرد تھیں اور ان کا اثر اور دباؤ جناب رسالتمآب پر خصوصاً ان کے اخیر زمانہ میں بہت تھا جبکہ عائشہ کی وفاداری جناب رسالتمآب کی نسبت مشتبہ ہو گئی تھی یہ (علیؑ) حضرت عائشہ کے خلاف ہو گئے تھے۔ انھوں نے اور کسی وجہ سے نہیں لیا سوائے اس کے کہ جناب رسالتمآب کی حتی الامکان خدمت کرنا چاہتے تھے۔

عائشہ کی حضرت علیؑ سے دشمنی اور اس کا اثر

حضرت عائشہ نے اس دشمنی کو اپنے دل میں رکھا اور جب موقع آیا تو انھوں نے اپنا پورا اقتدار حضرت علیؑ کے خلاف صرف کر کے ان کو معزول کر دیا اور اپنے باپ حضرت ابوبکر کو جو کہ اس وقت ایک بااثر آدمی تھے تخت خلافت کیلئے انتخاب کرا لیا اور اس صورت سے حضرت علیؑ کے تمام حقوق کو پامال کر دیا۔ جناب رسالتمآب اور ان کے اسلام کے نہایت ہی وفادار معتقدین نے اس ناانصافی کی زحمتوں کو سختی سے برداشت کیا۔ اس گروہ کا اعتقاد ہے کہ حضرت علیؑ ہی ایسے شخص ہیں جو خلافت پانے کے مستحق ہیں اور یہی وہ آدمی ہیں جن کا اعتقاد ہے کہ یہ حضرت علیؑ کا پیدائشی حق تھا اور ان کی اولاد کو اسلام کی مذہبی اور سیاسی سرداری پر فائز ہونا چاہیئے تھا اور تینوں خلفاء ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ حق خلافت کے غاصب تھے اور وہ سب حضرت علیؑ کے جائز وراثت کے چھیننے کے مجرم تھے۔ اور یہی فرقہ تھا جو مابعد میں شیعہ یعنی دوست یا ساتھی کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ شیعہ اس وجہ سے رسول کے اہلبیت یعنی حضرت علیؑ اور ان کے صاحبزادہ حسنؑ و حسینؑ اور جناب رسالتمآب کی صاحبزادی جناب فاطمہؑ کے پیرو ہیں۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جس نے حضرت علیؑ کے حق کو وجوہات مذکورہ سے نہیں مانا اور اپنے خلیفہ کے انتخاب کو الیکشن کے اصول پر رکھا بعد میں اہل سنت یا

سنی کے نام سے موسوم ہوا۔

چوتھی خلافت کے بعد حضرت علیؑ کے مخالفین کا زور

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان کے انتقال کے بعد حضرت علیؑ کا حق پورے طور پر مان لیا گیا اور وہ
نت خلافت پر بیٹھے لیکن ان کے مخالفین کا زور برابر کارفرما رہا! اہلبیت کے خاص دشمن
، امیہ تھے جو کہ عرب کے قبیلہ قریش کی ایک شاخ تھے اور جن کا مخصوص سرغنہ ایک
ص ابوسفیان تھا یہ جناب محمدؐ اور ان کے مشن کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا۔ اور وہ
اعت تبلیغ اسلام اور دنیاوی طاقت کے حصول کے ہر ہر موقع پر جان توڑ کر لڑا اور
ب رسالتمآب کی دینی اور دنیاوی طاقتیں ناقابل شکست اور مقابلہ سے بالاتر ہوگئیں تو
سفیان نے اور ان کے خاندان نے کافی برخاستہ دلی سے اسلام قبول کر لیا جب رسالتمآب
ان کے اسلام کے خلاف بغض و حسد کی آگ اب تک ان کے دلوں میں سلگی ہوئی تھی۔
انکہ وہ کافی طور سے دبا دی گئی تھی معاویہ اسی ابوسفیان کے صاحبزادے تھے۔ وہ حضرت
کے درپئے آزار تھے اور آخر کار حضرت علیؑ بہت ہی مکارانہ چالوں کے ساتھ قتل
دیئے گئے۔ یہ معاویہ بہت طاقتور آدمی تھے۔ اور اونھوں نے حضرت علیؑ ہی کی زندگی
سلطنت اسلامی کا ایک حصہ حاصل کر لیا تھا۔ بہرحال حضرت علیؑ کو امن و امان کے ساتھ
ست نہیں کرنے دی اور جب کہ معاویہ حضرت عائشہ کی مدد سے حضرت علیؑ سے لڑ رہے تھے
خرالذکر (حضرت علیؑ) کو ایک مسلمان باغی نے مسجد کوفہ میں جو کہ دریائے فرات کے مغرب
ایک شہر ہے قتل کر ڈالا ان کی شہادت کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے حضرت (امام)
ؑ ان کی جانشینی کے مستحق ہوئے۔ جیسا کہ مسٹر آرنلڈ کی تحقیق ہے کہ حسنؑ جو کہ عابد اور
رگار تھے۔ اور اپنے باپ کی موت پر ملول اور غمگین تھے اپنی سلطنت کے پیدائشی حق کو
، بڑے سالانہ خراج کے عوض میں معاویہ کے ہاتھ فروخت کر ڈالا اور اپنی بقیہ زندگی میں
، رقم کو مدینہ میں مذہبی اور خیراتی کاموں میں صرف کرتے رہے۔

حضرت امام حسینؑ کی شہادت

سنہ ۶۶۹ء میں نبی خدا کے اس بے گناہ اور نمازی نواسہ کو ان کی ایک بیوی سے زہر دلوایا گیا

جس کو معاویہ کے لڑکے یزید نے جو کہ دمشق کا دوسرا امیہ خلیفہ ہوا ایسا جرم کرنے پر رشوت دے کر تیار کیا تھا۔ اب رسول اللہ کے گھرانے کے سردار صرف حسین رہ گئے یہ علی و فاطمہ کے چھوٹے صاحبزادہ تھے جو کہ بہادر اور شریف تھے اور جن میں ان کے باپ کی بہت کچھ اسپرٹ موجود تھی معاویہ نے اپنے مرنے سے قبل یزید کو اپنا جانشین نامزد کیا اور یہ اوس صلحنامہ کے شرائط کے بالکل برعکس کیا جو ان کے اور امام حسنؑ کے درمیان میں ہوا تھا کہ معاویہ کے مرنے کے بعد امام حسنؑ یا امام حسینؑ خلیفہ ہوں گے تھوڑے عرصہ کے بعد معاویہ کا انتقال ہو گیا۔ اور یزید اپنے باپ کے تخت پر بطور محض استحقاق وراثت کی بنا پر بیٹھا۔ معاویہ کا اپنے لڑکے کو امارت اور خلافت کے لئے نامزد کرنا خلفاء کی غیر منصفانہ جانشینی تھی اس وجہ سے یزید کی جانشینی بالکل ابتدا ہی میں ناجائز تھی یہ یزید جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے ابوسفیان کا پوتا تھا۔ جب سے کہ حضرت علی نے خلافت کا ایک حصہ معاویہ کو دیا اس وقت سے تاریخ اسلام میں خاندان بنی امیہ نے ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا۔ اس خاندان بنی امیہ میں معاویہ اور اس کا باپ ابوسفیان جو کہ اسلام اور رسولؐ کے سخت ترین دشمن تھے شامل تھے۔ ان بنی امیہ نے اپنی پوری سلطنت شام میں قائم کر لی اور اس کا دارالسلطنت دمشق قرار دیا۔ اونھوں نے ایک دوسرے قسم کے اسلام کی تبلیغ کرنی شروع کی اور اس طرح سے رسالتمآب کے مذہب کو جال ڈالنے کی کوشش کی اس طور سے اس وقت دمشق میں مصنوعی مذہب اسلام خلفاء امیہ کے زیر حمایت سکھایا جا رہا تھا۔ لیکن مدینہ میں ابھی تک حقیقی اسلام کی آخری شعاع اہلبیت کے دستاردں کے زیر حمایت زندہ تھی۔ تاریخ اسلام میں یہ ایک اہم موقع تھا جس میں سے مذہب رسالتمآب کو گذرنا تھا۔ اگر معاویہ اور اس کا خاندان مدینہ میں اہلبیت کی طاقت اور اسپرٹ کو پائمال کر دینے میں کامیاب ہو گیا ہوتا تو آج کے دن اسلام کی تاریخ بالکل مختلف ہوتی اور بہت ممکن ہے کہ رسالتمآب کے اسلام کو پائمال ہوئے ایک عرصہ ہو گیا ہوتا۔ بنی امیہ کے خاندان کے لوگ جنھوں نے اس غیر مطمئن زمانہ میں بہت اہم کام کئے رسولؐ کے دشمن ہوتے ہوئے خراب چال چلن کے آدمی تھے۔ جیسا کہ گبن نے اپنی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر کے صفحہ ۹۰ میں لکھا ہے۔ سوائے اہل شام کے خلفاء بنی امیہ پبلک کے ہردلعزیز نہیں رہے جناب رسالتمآب کی زندگی شاہد ہے کہ

ان میں بت پرستی کا استقلال بغاوت قبول اسلام میں برخاستہ دلی تھی اور ان کا عروج فرقہ دارانہ جنگ سے ہوا۔ انھوں نے اپنے تخت کو عرب کے سب سے زیادہ پاک اور شریف خون سے مستحکم کیا بالکل غیر جانب دار انگریز مصنفین مثلاً پرائس گبن اور گلمن نے معاویہ اور یزید کی سخت ترین الفاظ میں برائی کی ہے۔ ملاحظہ ہو (A History of Mohamadan Empire مصنفہ مسٹر پرائس صفحہ ۳۸۶ اور ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر مصنفہ گلمن صفحہ ۱۹۰۔ اور اے شارٹ ہسٹری آف سیریسنس مصنفہ جسٹس امیر علی صفحہ ۱۸۵) کہ معاویہ اور یزید کے تمام طرز عمل اور تمام کام نہایت ہی غیر اسلامی بالکل ناجائز اور اخلاق سے گرے ہوئے تھے۔ اور اس کا اقبال معاویہ نے خود جبکہ وہ بستر مرگ پر پڑے ہوئے تھے کیا تھا بہت ممکن ہے کہ انھوں نے روز قیامت کی جزا و سزا کا خیال کیا ہو۔

معاویہ اور یزید کا تمام طرز عمل غیر اسلامی تھا۔

میں اس بارہ میں میجر پرائس کی کتاب کے حوالہ سے تحریر کرتا ہوں "کہا جاتا ہے کہ معاویہ نے اپنے دوستوں کے سامنے مرنے کے قبل اقبال کیا کہ میرے لئے تین چیزیں باعث ندامت ہیں اول جلد بندی کی اسپرٹ سے اپنے کو آزاد کر دیا اور اسکی وجہ سے نبی کے پاک خاندان کو ان کے حقوق سے محروم کر دیا دوسرے امام حسنؑ کی بیوی کو اپنے خاوند کے زہر دینے کیلئے ملایا۔ تیسرے یزید کو قبل از وقت نامزد کر دیا (ہسٹری آف محمڈن امپائر مصنفہ پرائس جلد اول صفحہ ۳۰۹) اپنے مرنے سے قبل کسی وقت انھوں نے اپنے لڑکے کو بہت سی باتوں سے متنبہ اور ہوشیار کیا۔ میجر پرائس تحریر کرتے ہیں کہ "اپنے دوران بیماری میں اس نے اپنے جانشین یزید کو اور نصیحتوں کے ساتھ ساتھ کہا کہ ہر انسانی حفظ ما تقدم کے بعد سلطنت جو تیرے ہاتھ میں دی ہے اس کی نسبت جب میں مرجاؤں گا تو چار آدمی باقی رہینگے جن سے تجھ کو مقابلہ کرنا پڑے گا یہ حسینؑ عبداللہ بن عمر عبدالرحمٰن اور عبداللہ بن زبیر ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ تجھ کو مناسب ہوگا کہ یہ خیال رکھنا کہ حسینؑ نبی کے نواسہ ہیں اور ہم نے ان سے سلطنت چھینی ہے اور جو کچھ کہ اس وقت ہمارے پاس ہے ان کا ہی تھا اسلئے

ے یہ لفظ غالباً جلد بندی کا نہیں ہے۔ ۱۲

ان پر جب تو فتح پائے تو ان کے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کرنا" یہ شہادتیں معاویہ کے خود اقبال سے حضرت علی اور اُن کی اولاد کے استحقاق کے بارے میں اور مذموم حرکتوں کے متعلق ہیں۔ یزید اپنے باپ سے بدتر تھا یہ یزید ہی تھا جو واقعہ کربلا کا ذمہ دار تھا یہ حادثہ تاریخ کا بدترین دفعہ ہے کہ جب یزید اپنے باپ کے مرنے کے بعد تخت پر بیٹھا تو اُس نے پوری طور سے محسوس کیا کہ اس کا عروج اسلامی دنیا کی رضامندی پر نہیں ہے اور خلفاء کے انتخاب کے اصول پر بھی جو کہ اب تک مروج رہا ہے نہیں ہے وہ جانتا تھا کہ سچے مسلمان کا دل نبی کے نواسے امام حسینؑ کی طرف لگا ہے اور وہ محسوس کرتا تھا کہ امام حسینؑ کی زندگی میں اس کا پوزیشن غیر محفوظ ہے سو جسے اُس نے اُن پر فتح پانے کی کوشش کی کہ یا تو اپنی سرداری اُن سے منوائے یا اُن کو قتل کرے اسو جہ سے اُس نے امام حسینؑ سے بیعت لینے کے لئے اپنے آدمیوں کو بھیجا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے یزید اسوقت اسلامی دنیا کا محض سیاسی بادشاہ ہی نہیں تھا بلکہ اپنے اس کفر کا محافظ اور مبلغ بھی تھا جو کہ اس کے باپ معاویہ نے شۂ اسلام کے لباس میں دمشق میں جاری کیا تھا۔

امام حسینؑ نے کیوں بیعت یزید گوارا نہ کی

امام حسینؑ نے محسوس کیا کہ اسلام کے ہر قابل غور اصول سے سلطنت ان کی ہی تھی اور ان کا حق مادی طاقتوں سے سب سے زیادہ نالائق آدمی نے چھینا تھا اور انھوں نے اس کا بھی احساس کیا کہ یزید کے پاس عہدہ خلافت رہنے سے سب سے بڑا حادثہ یہ ہوگا کہ نبیؐ کا اسلام ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے گا اور کفر جس کے اکھاڑنے کیلئے جناب رسالتمآب نے کوشش کی تھی پھر دوبارہ اسلام کے بھیس میں جبکہ یزید قائم اور سنبھالے ہوئے ہے عروج پا جائے گا۔ خاندان علیؑ نبیؐ کے اسلام کا ہمیشہ سے امین تھا اسلئے امام حسینؑ اپنے نانا کے دین کی تباہی کو برداشت نہ کر سکے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ یزید کی بیعت کو قبول کرنے سے یزید کی ماتحتی بحیثیت دنیاوی بادشاہ کے ہی نہیں ہے اس سے (بیعت سے) اسلام کی امانت کا بھی انکار تھا جس کے کہ اب وہی صرف آخری امین تھے اسی وجہ سے انھوں نے یزید کی بیعت کا انکار کر دیا حضرت علیؑ نے اپنے زمانہ حکومت میں کوفہ جو کہ عراق کا ایک

بہت مشہور شہر تھا اور دریائے فرات کے کنارے بابل سے بہت نزدیک تھا اپنا دارالسلطنت بنایا تھا کوفی قدرتاً علیؑ کے فدائی تھے وہ یزید کے غاصبانہ خلافت سے متنفص تھے اور وہ اسکے بجائے امام حسین کو چاہتے تھے انھوں نے امام حسینؑ کے پاس اپنے درمیان بلانے کیلئے بیشمار خطوط بھیجے اور یزید کے خلاف لڑائی میں پوری مدد دینے کا وعدہ کیا امام حسین کے بہت سے دوستوں نے انکو کوفیوں پر بھروسہ نہ کرنے کی ترغیب دی کیونکہ وہ لوگ بہت بے ثبات تھے اور ثابت قدمی اور استقلال کی ان میں کمی تھی حسین نے ان دوستانہ مشوروں کا خیال نہ کیا اُن کا دماغ دوسری ہی طرف رجوع تھا اُن کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ کیا ہونیوالا ہے اُن کو اپنے نانا کے دین کے تحفظ کا احساس تھا اور یہ یقین تھا کہ وہ اسکو کسی نہ کسی طرح اپنی شہادت سے پورا کریں گے کیونکہ ان کو اس اصول کا یقین تھا کہ شہید کا خون مذہب کی بنیاد ہوتی ہے ۔

واقعہ کربلا اور اسکے اثرات

اسکے بعد واقعہ کربلا ہوا اور یہی واقعہ ہے جو کہ اس مقدمہ کی بنائے مخاصمت ہے میں اس واقعہ کو ایڈورڈ گبن کے الفاظ میں بیان کرتا ہوں کہ جس کو انھوں نے اپنی تاریخ (Decline and fall of the Roman Empire) کے صفحہ ،، میں درج کیا ہے

"خاندان ہاشم کی سرداری اور رسول اللہ کا متبرک چال چلن ان کی شخصیت میں مجتمع تھے یزید کے خلاف اُن کو اپنا مقصد پورا کرنے کی آزادی تھی جو کہ دمشق کا ظالم تھا اور جس کی برائیوں کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جس کا خطاب (استحقاق خلافت) انھوں نے کبھی تسلیم نہیں کیا خفیہ طور پر ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں کی فہرست کوفہ سے مدینہ بھیجی گئی جنھوں نے اُن کی نصرت کرنے کا وعدہ کر لیا تھا اور وہ لوگ متمنی تھے کہ جیسے ہی وہ (امام حسینؑ) دریائے فرات کے کنارے آئیں اپنی تلواریں کھینچ لیں۔ اپنے عقلمند ترین دوستوں کی رائے کے خلاف انھوں (امام حسینؑ) نے اپنی ہستی اور اپنے خاندان کو اس بیوفا قوم کے حوالہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ انھوں نے عورتوں اور بچوں کے قافلہ کے ساتھ عرب کے ریگستانوں کو طے کیا لیکن جیسے ہی عراق کے حدود میں پہونچے تو وہ ملک کی ویرانی اور دشمنی

کی صورت سے آگاہ ہوئے اور اُن کو اپنی جماعت کے ارتداد یا تباہی کا خوف ہوا۔ ان کا خوف بالکل درست تھا۔ عبیداللہ نے جو کہ کوفہ کا گورنر تھا خروج کی پہلی چنگاریوں کو بجھا دیا۔ اور امام حسینؑ کا پانچ ہزار سواروں سے کربلا کے میدان میں محاصرہ کر لیا اور ان لوگوں نے (امام حسینؑ) دریا اور شہر کے تعلقات کو منقطع کر دیا وہ (امام حسینؑ) اب بھی ریگستان کے کسی قلعہ میں بچ کر جا سکتے تھے جس نے زار اور خسرو کی طاقت پسپا کر دی تھی اور قبیلہ طئے کی وفاداری پر بھروسہ کر سکتے تھے جو کہ ان کی محافظت کیلئے دس ہزار جانفروش مسلح کر دیتے۔ دشمن کی فوج کے سردار سے ایک گفتگو میں امام حسینؑ نے تین باعزت شرائط پیش کیں (۱) انکو مدینہ واپس جانے کی اجازت دیجائے یا ترکوں کے خلاف کسی سرحدی چھاونی پر بھیجدیا جائے (۲) یزید کے سامنے لیجایا جاوے لیکن خلیفہ کا کمانڈر یا اُس کا لفٹنٹ سخت اور مختار کل تھا امام حسینؑ کو اطلاع دی گئی کہ وہ آیا اپنے آپ کو لطور قیدی اور مجرم کے امیرالمومنین یزید کے حوالے کر دیں یا اپنی بغاوت کا نتیجہ دیکھیں اُنھوں نے جواب دیا کہ کیا تم مجھ کو موت سے ڈرانے کا خیال کرتے ہو؟ اور ایک رات کے قلیل عرصہ میں اُنھوں نے خاموش اور سنجیدہ توکل کے ساتھ اپنی قسمت کا مقابلہ کرنے کیلئے خود کو مستعد کیا امام حسینؑ نے اپنی بہن فاطمہ کے گریہ وزاری کو روکا جو کہ اُن کے خاندان کے عنقریب آنے والی تباہی پر آنسو بہا رہی تھیں امام حسینؑ نے کہا ہمارا اعتقاد صرف خدا پر ہے آسمان اور زمین کی تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی اور اپنے پیدا کرنے والے کے حضور میں حاضر ہوں گے میرے بھائی میرے والد میری ماں مجھ سے بہتر تھے اور ہر مسلمان کیلئے جناب رسالتمآبؐ ایک مثال ہیں۔ امام حسینؑ نے اپنے دوستوں پر زور دیا کہ فرار ہو کر اپنی جان بچا لیں لیکن ان لوگوں نے بالاتفاق اپنے محبوب آقا کو چھوڑنے یا اُن کے بعد زندہ رہنے سے انکار کر دیا۔ یوم قتل کی صبح کو امام حسینؑ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن لیکر پشت مرکب پر سوار ہوئے اُن کے صاحبِ ہمت شہیدوں کے گروہ میں ۳۲ سوار اور چالیس پیدل تھے اِن کے یمین و یسار اور عقب خیمہ کی طنابوں اور ایک گہری خندق سے محفوظ تھے۔ دشمن کی فوج بیدلی سے آگے بڑھی اور اُن کا ایک سردار مع تیس ساتھیوں کے برحق موت میں حصہ پانے کیلئے ان سے علحدہ ہو گیا گھمسان کے حملوں میں یا تنہا لڑائی میں فاطمیوں کی عالی ہمتی ناقابل فتح تھی لیکن محاصرہ کرنے والا گروہ فاصلہ سے تیروں کی بوچھار

کرتا تھا جس سے گھوڑے اور انسان باری باری مارے گئے۔ جانبین نے نماز کی ادائیگی کیلئے مہلت لی آخر کار حسینؑ کے آخری رفیق کی شہادت سے لڑائی ختم ہوئی تنہا زخمی اور ماندہ ہو کر امام حسینؑ اپنے خیمہ کے دروازے پر بیٹھ گئے جیسے ہی آپ نے ایک قطرہ پانی زبان پر رکھا آپ کا دہن اقدس ایک تیر سے زخمی ہوا اور آپ کے صاحبزادے اور بھتیجے جو دو خوبصورت بچے تھے آپ کی گود میں شہید ہو گئے اُنھوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے وہ خون سے بھرے ہوئے تھے اور زندہ اور مردہ کیلئے دعائے خیر کی پریشانی اور مایوسی کے عالم میں امام حسینؑ کی بہن خیمہ سے باہر نکل آئیں اور کوفیوں کے سپہ سالار سے ملتجی ہوئیں کہ اپنے سامنے امام حسینؑ کو شہید نہ ہونے دے اس شریف آدمی کی بھی ڈاڑھی سے آنسو بہہ نکلے اور جب قریب المرگ ہیرو اُن پر (دشمن کی فوج پر) حملہ آور ہوا تو اس کے بہادر ترین سپاہی بھی ہر طرف بھاگ نکلے۔ بے رحم شمر نے جس سے مومنین نفرت کرتے ہیں اس بزدلی پر ان کی ملامت کی اور امام حسینؑ کو نیزہ و تلوار کے ۳۳ زخموں سے شہید کر دیا اُن کی لاش کو پائمال کرنے کے بعد انکے سر کو کوفہ کے قلعہ میں لے گئے اور سنگدل عبید اللہ نے چھڑی سے اس سر کے منہ پر مارا۔ ایک بوڑھے مسلمان نے کہا کہ افسوس میں نے ان ہی ہونٹوں پر رسول اللہؐ کے لبہائے اقدس دیکھے ہیں اسکے بعد وہاں سے امام حسینؑ کا سر یزید کے سامنے لیجایا گیا۔ میجر پرائس نے اس سلسلہ میں اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۴ میں حسب ذیل تحریر کیا ہے "اسی دوران میں گورنر عبید اللہ ہاتھ میں چھڑی لئے ہوئے امام حسینؑ کے سر پر جو اس کے سامنے رکھا ہوا تھا مار کر خوش ہو رہا تھا اور نہایت ہی توہین آمیز کلمات و استہزا کر کے خلاف انسانیت فتح کا مظاہرہ کر رہا تھا امام حسینؑ کا سر کوفہ کی تمام بازاروں میں تشہیر کرنے کے بعد دمشق میں یزید کے پاس بھیجدیا گیا تاکہ اُسکو معلوم ہو جائے کہ اس کی فتح مکمل ہو گئی اور اسوقت یہ نیا فاتح یزید اُن سخت خونی واقعات کی خبر سنکر ڈر یا افسوس کی وجہ سے کانپ رہا تھا اسوقت وہ کوفہ کے نمائندہ کا سا برتاؤ اپنے بدقسمت حریف کے سر کے ساتھ کرنے سے باز نہ رہ سکا یعنی سر کے ہونٹوں اور دانتوں پر اپنے کوڑے سے مارتا تھا ان ہی وحشیانہ دل لگیوں میں ایک شخص ابو برزہ نے ان خرافات کے خلاف مداخلت کی اور ردّ و کد کی کہ اُن ہونٹوں کے ساتھ تو ایسی وحشیانہ توہین کرتا ہے جنکو کہ رسول اللہؐ نے بوسوں سے سرفراز کیا ہے۔ اس

خلاف توقع اور دلیرانہ نکتہ چینی پر یزید نے ابوبردا کے سینہ پر ضرب لگائی اس طرح سے تاریخ عرب کی عابدترین ہستی (امام حسینؑ) کی زندگی اور قصۂ زندگانی تمام ہوا ان تمام مخالفتوں کے باوجود امام حسینؑ کی شخصیت زمانۂ قدیم کے آسمان پر مثل ستارۂ درخشاں کے ہے اور صبح اسلام (شروع اسلام) میں نسل انسانی کی بے مثال فائدہ پہنچانے والی ہستی ہے انھوں نے صرف بہتر آدمی سے جن میں کہ آپ کے خاندان کی عورتیں اور بچے بھی شامل تھے بائیس ہزار فوج کا مقابلہ کیا اور اسی سبب کیلئے دیدہ و دانستہ شہادت اختیار کی جسکی کہ ہر مسلمان کو عزت کرنی چاہیئے ان کی زندگی کے آخری لمحہ تک رضاء الہٰی میں اُن کا ایمان اور اعتقاد ناقابل شکست تھا جبکہ ان کا گلا شمر کے خنجر کے نیچے تھا تو ان کے آخری الفاظ یہ تھے کہ وہی ہوگا (جو کہ مشیت الہٰی میں ہے) حضرت عیسیٰ نے بھی جبکہ انکو صلیب دی جا رہی تھی چلا کر کہا کہ یا اللہ یا اللہ تو مجھکو بھول گیا ہے سقراط نے جب زہر ہلاہل کا پیالہ پیا تو وہ بھی اپنے نزدیک عورتوں کی گریہ و زاری کو برداشت نہ کر سکا اور انکو اپنے سامنے سے بجبر ہٹوا دیا حسینؑ تمام دنیا کے بڑے سے بڑے شہیدوں کے مقابلہ میں بالاتر ہیں یہ ضروری ہے کہ ایک شیعہ کو اس طرح کے حادثہ کا انتہائی غم و افسوس ہونا چاہیئے کیونکہ آپ اُن کے پیشوا ہیں اور تمامی اسلامی دنیا کو اس کا احساس بھی ہے کیونکہ انھوں نے اسلام کیلئے ایسی سچی اسلامی بہادری کی مثال قائم کر دی ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ کے کسی حصہ میں نظر نہیں آتی ہم نے دیکھا ہے کہ ان لوگوں کے سامنے جن کا مذہب شیعہ یا اسلام پر اعتقاد نہیں ہے جب یہ واقعہ ہیبت ناک تفصیلوں کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے تو انسے بھی آنسوؤں کی روانی پر قدرت قائم رکھی [illegible] جیسا کہ گبن نے اپنی Decline of the Roman Empire کے صفحہ [illegible] میں تجزیہ کیا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کی بیکسی کا منظر زمانہ بعید [illegible] دور دراز ملک میں بھی نہایت ہی سرد دل انسان کا بھی قلب ہلا سکتا ہے۔

جلوس تعزیہ کی ابتدا

تاریخ اسلام کا یہ وہ حصہ ہے جس سے [illegible] کے ہر حصہ میں جہاں جہاں شیعہ رہتے ہیں

جلوس تعزیہ کی بنا ڈالتا ہے تعزیہ محض روضۂ کربلا کی نقل ہے اور کچھ نہیں اور اسی کو یہ لوگ شہر اور قصبوں کی سڑکوں اور گلیوں میں گشت کراتے ہیں اور ساتھ ساتھ مرثیے پڑھتے جاتے ہیں جنہیں امام حسین اور اُن کی عورتوں اور بچوں کی شہادت کے تفصیلی واقعات درج ہوتے ہیں وہ روتے ہیں اور ماتم کرتے ہیں جب وہ ایسا کرتے ہیں تو ان لوگوں کے مظالم پر جو کہ ان مصائب کے ذمہ دار تھے ان پر نہایت ہی زوردار الفاظ میں جو کہ ان کو مل سکتے ہیں لعنت کرتے ہیں۔ خود سنّی بھی یزید اور اُسکے آدمیوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔ خود سنّی بھی امام حسین کی بڑی عزت کرتے ہیں اور وہ بھی یزید پر اور اوسکے اُن آدمیوں پر جنھوں نے امام حسینؑ کو قتل کیا لعنت بھیجتے ہیں مسلمانوں میں ایک فرقہ ہے جو کہ ناصبی کہلاتا ہے اور وہ حقیقت میں امیہ اور اُس کی اولاد کے پیرو ہیں جنھوں نے اہلبیت یا آل رسول سے جنگ کی یہی فرقہ ہے جو کچھ دلائل کے اظہار کے ساتھ امام حسین کی شہادت کے رسومات کے خلاف اعتراض کر سکتا ہے یہ فرقہ عملی طور پر قابل لحاظ نہیں ہے اور ان اطراف میں ان لوگوں کے بارے میں نہیں سنا جاتا میں ذیل میں اُن کے اعتراضات بیان کروں گا۔ جسکے متعلق سب سے زیادہ اہم پائنٹ تنقیص کرنا ہے کہ آیا شیعہ طبل بجاتے ہوئے نوحہ و ماتم کرنے کے ساتھ اور خصوصاً قاتلان حسینؑ پر لعن کہتے ہوئے اپنے جلوس کو شاہراہ عام پر لیجا سکتے ہیں یا نہیں۔

جلوس مذہبی نکالنے کا حق

مقدمہ کے اس حصہ پر پہنچ کر میں خیال کرتا ہوں کہ مدعا علیہم کے شہادتوں اور بحث کے ہر ہر لفظ کو صحیح مانتے ہوئے بھی مدعا علیہم کا معاملہ قانون کے معقول اصول پر قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ میرا خیال ہے کہ یہ معاملہ قطعی طور پر بالا تصفیہ کر دیا ہے پریوی کونسل کے جج صاحبان نے منظور حسن بنام محمد زمان کے مشہور مقدمہ (۲۳ الہ آباد لا جرنل ۹۷۱) میں تمام معقول دلائل کے بعد فیصلہ دیا ہے کہ شہریوں کے ہر طبقہ کو اپنے مذہبی جلوس مناسب مذہبی رسومات کے ساتھ بادشاہ کے ہر شاہراہ عام پر نکالنے کا حق حاصل ہے۔ رپورٹ کے صفحہ ۱۰۸ پر جج صاحبان حسب ذیل تحریر کرتے ہیں۔ جج صاحبان کے نزدیک

مستند فیصلہ کیلئے ہندوستان میں شاہراہ عام پر مذہبی جلوس نکالنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہندوستان میں ماننے ہوئے مذہب اور ان کی مذہبی رسومات یقیناً متضاد ہیں پہلا سوال یہ ہے کہ آیا شاہراہ عام پر کسی مذہبی جلوس کو مع مذہبی رواسم کے نکالنے کا حق ہے یا نہیں جج صاحبان کے نزدیک اس کا جواب اثبات میں ہے ایسا ہی وہ بھی مقدمہ شیعہ اور سنیوں کا تھا شہر اورنگ آباد میں شیعہ اپنے جلوس کو حسنؓ اور حسینؓ کی شہادت کے متعلق بہت سے علم اور رواسم کے ساتھ نکالتے تھے ان کا جلوس شاہراہ عام پر نوحہ و ماتم کیلئے مختلف مقامات پر رکتا تھا سنیوں نے اس جلوس کے اس مقام پر جو ان کی مسجد کے نزدیک تھا۔ کئے پر اعتراض کیا کہ مسجد میں نماز پڑھنے میں خلل ہوتا ہے پرلوی کونسل کے جج صاحبان کی رائے اس مقدمہ میں یہ تھی کہ شیعوں کو اپنے جلوس نکالنے کا اور نوحہ و ماتم کرنے کا اور جلوس کے ساتھ مذہبی رسومات کے ادا کرنے کا قانونی حق حاصل ہے۔ بہرحال انھوں نے شیعوں کے موافق ان کے حقوق کے بجاآوری کا زیر ماتحتی احکام پولیس و حکام ضلع فیصلہ دیا کہ وہ قانون کے ماتحت قیام امن اور رفع فساد کیلئے قیود لگانے کے مجاز ہیں انھوں نے مدراس کے تین مقدموں کی تقلید کی ہے (۵ مدراس ۳۰۰۴-۲ مدراس ۲۰۳- ۲۶ مدراس ۳۷۵) مقدمہ ۲ مدراس ۲۰۳ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جج صاحبان نے پوری طور پر ظاہر کر دیا ہے کہ حکام اور پولیس کے احکامات قانونی حقوق کے تحفظ اور اُن کی بجاآوری کیلئے ہونے چاہئیں اور اسکے برعکس احکامات بوقت ضرورت جب انتظام ناکافی ہو نافذ ہوسکتے ہیں اس مقدمہ میں جج صاحبان نے صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ مجسٹریٹ کے احکامات شیعوں کے قانونی حقوق کی بجاآوری کی مزاحمت میں خاص ضرورت کے وقت ہی نافذ ہوں گے اور ان کی منشا ان کے قانونی حقوق کے فیصلہ نہ سمجھے جاوینگے مدعاعلیہم کا اصلی جھگڑا یہ ہے کہ تعزیوں کا لیجانا اور ان پر نوحہ و ماتم کرنا اور زیر بحث جلوس میں امام حسینؓ کے قاتلوں پر لعن کہنا اسلام کے احکام کے خلاف ہے اور وہ سنیوں اور اسلام کے ناصبی فرقے کے مذہبی احساسات کو مجروح کرتے ہیں اور اس وجہ سے شاہراہ عام پر ایسا فعل کرنے کی اجازت نہ دی جائے پرلوی کونسل کے جج صاحبان کا فیصلہ نہایت واضح طور پر اسکے خلاف ہے جج صاحبان نے اسکی

اجازت دی ہے اور ان کے نزدیک جائز ہے کہ شیعوں کو سنّی مسجد کے سامنے نوحہ و ماتم کے ساتھ جلوس روکنے اور مسجد کے نزدیک سڑک پر مذہبی رسوم ادا کرنے کا حق حاصل ہے اور اس امر سے کہ مسجد میں سنیوں کی نماز اور عبادت میں مذکورہ بالا سے خلل ہوگا شیعوں کے حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس قسم کے حقوق جیسا کہ شیعہ طلب کرتے ہیں نہ تو کوئی جرم ہے اور نہ کوئی پبلک یا پرائیوٹ ایذا رسانی ہے اس وجہ سے مستند عدالت نے طے کر دیا ہے ہماری آنریبل ہائیکورٹ کی ایک بنچ کا نظریہ ایک مقدمہ میں جو کہ ۳۰ الہ آباد ۱۸۱ میں شایع ہوا ہے حسب ذیل ہے "جہاں پر یہ سوال جس میں جائداد کے معمولی حقوق وابستہ ہیں ہمارے سامنے آتا ہے تو قبل اسکے کہ ہم ان حقوق کو توڑیں ہم کو کچھ اصول یا قانونی قواعد تلاش کرنے چاہئیں جو کہ ایسے قانون کی زیر حمایت ہوں جنکے ذریعہ سے ان حقوق پر لوگوں کی خواہشات اور احساسات کو ترجیح دی جائے اور وہ فعل جو کہ ایک گروہ کے احساسات کو مجروح کرتے ہیں ضروری نہیں ہے کہ پبلک کیلئے ایذا رساں سمجھے جائیں"۔ دوسرے مقام پر جج صاحبان اسی کیس میں تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ ہر شخص کا قانونی حق ہے کہ وہ اپنی جائداد کو جیسا مناسب خیال کرے استعمال کر سکتا ہے بشرطیکہ ایسا کرنے میں دوسروں کو قطعی طور پر نقصان نہ پہونچائے یا قانون کے خلاف نہ کرے اگرچہ ایسا کرنے سے دوسروں کے احساسات مجروح ہوں"۔ یہ واضح ہو جائے گا کہ جج صاحبان نے دوسروں کے احساسات کو مجروح کرنے اور واقعی قانونی نقصان پہونچانے کا فرق صاف طور سے ظاہر کر دیا ہے۔ جج صاحبان نے صاف طور پر بتلا دیا ہے کہ اگر ایک شخص کو کسی کام کرنیکا قانونی حق ہے تو وہ اسکو کر سکتا ہے خواہ اس سے دوسروں کے احساسات مجروح ہوں اگر ایسا کرنے سے دوسروں کو واقعی قانونی تکلیف ہوتی ہے تو وہ اس فعل کو نہیں کر سکتا یہ گاؤکشی کا ایک مقدمہ تھا اور ہندوؤں نے اس مقدمہ میں اعتراض کیا تھا کہ گاؤکشی کے خیال سے ہی ہندوؤں کے دلوں میں اس فعل کے خلاف نہایت سخت جوش پیدا ہو جاتا ہے اس وجہ سے گاؤکشی کی اجازت مسلمانوں کو نہ دیجائے ہم کو اس امر کا خیال کرنا پڑتا ہے کہ منوجی کے زمانہ سے اب تک ہندو مذہب اور اسکے رواسمات اور تخیلات میں گائے کی زندگی اور برہمن جو کہ انسانیت کا بہترین طبقہ ہے ایک معیار پر ہیں ہندو قانون

کے مطابق گائے اور برہمن کی جان لینے کے جرم کی سزا سزائے موت ہے اور ہندو قانون کے مطابق ایسے مجرم اور گناہ گار کبھی نہیں بخشے جا سکتے آگے چل کر اس کا بھی خیال کرنا پڑتا ہے کہ ہندو مذہب کا یہ اصول خاص کر اس ملک کے زراعت کے کاروباری اعلیٰ اصول پر مبنی ہے اور اب بھی موجودہ ہندوستانی ماہران اقتصادیات کے نزدیک اس ملک کی عام غربت اور فلاکت گایوں کی اچھی نسل سے بہت کچھ دور ہو سکتی ہے۔ یہ روزانہ زندگی کی ایک عام بات ہے کہ گاؤکشی کے مسئلہ میں عام طور سے ہندو کسی بات پر رضا مند نہیں ہوتا کیونکہ اس کا دل ان روایتی احساسات کا حامل ہے جو کہ نہایت ہی قدیم زمانہ سے اس تک پہونچے ہیں۔ اس اہم مذہبی اعتراض اور ہندوؤں کی مخلصانہ التجاؤں کے بعد بھی آنریبل ہائیکورٹ مسلمانوں کے قانونی حقوق کے اجرا میں مصر رہی اور یہی ہے جو جج صاحبان نے ۳۰ الہ آباد ۱۸۱ میں کہا ہے اور ۲۷ الہ آباد لا جرنل ۱۰۶ کے اس طرح کے مقدمہ میں اسی اصول کی تقلید کی گئی ہے ایک دوسرے ڈویژن بنچ کیس میں جو کہ ۱۹۲۰ الہ آباد سے (صفحہ ۸۷۵) میں چھپا ہے جسٹس آنریبل سلیمان اور آنریبل جسٹس سین صاحبان نے حسب ذیل تجویز کیا ہے اگر گائے کی قربانیاں ہندوؤں کے لئے انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے دلآزار ہیں تو یہ فعل پبلک کی ایذا رسانی کے خیال سے نہیں روکا جا سکتا کیونکہ قانون میں ذکی الحس لوگوں کی گنجائش نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح کے ایک دوسرے مقدمہ میں آنریبل جسٹس سلیمان اور آنریبل جسٹس نیگ صاحبان تحریر کرتے ہیں کہ ہندوؤں کو اپنے قومی اور مذہبی جلوس تمام گلیوں اور شاہراہ عام پر باجا بجاتے ہوئے اور مذہبی رسوم ادا کرتے ہوئے لیجانے کا حق حاصل ہے اور مسجد کے قریب سے گذر سکتے ہیں اور مسجد کے مسلمانوں کو اس جلوس کے اس بنا پر رکوانے کی التجا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ اس سے اُن کی مذہبی عبادت میں خلل پڑتا ہے اس مقدمہ میں جج صاحبان کی حسب ذیل رائے ہے۔" ان مسجدوں یا مندروں میں جو کہ شاہراہ کے نزدیک ہیں عبادت کرنے والوں کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ صاحبان جلوس کو پوری طور پر جبکہ وہ مسجد یا مندر سے گزر رہے ہوں پوری طور پر باجا بند کرنے کے لئے اس بنیاد پر نہیں مجبور کر سکتے کہ اس کے اندر مسلسل عبادت ہو رہی ہے خواہ باجا مذہبی ہو یا غیر مذہبی اس بنا پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ دوسرے فرقے کے مذہبی احساسات کو مجروح کرتا ہے۔ باجے کے بند کرنے سے صاحبان جلوس کی اتنی ہی

دل آزاری ہوتی ہے جتنی کہ اس کے بجتے رہنے سے [illegible] فرقہ کی ہوتی ہے۔ بدیں وجہ پورے [illegible] باجے کو بند کرنے پر زور دینے کا کوئی حق نہیں ہے" اس فیصلہ میں دوسرے مقام پر جج صاحبان تحریر کرتے ہیں کہ "تمام باجے خواہ وہ کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں نہ تو وہ پبلک کے لئے ایذا رساں ہو سکتے ہیں اور نہ کسی کو تکلیف پہونچا سکتے ہیں خواہ اُن سے سڑک کے متصل مکانات میں رہنے والوں کو تکلیف پہونچے" آگے چلکر اُنھوں نے تحریر کیا ہے کہ "جلوس کا باجے کے ساتھ نکالنا خواہ وہ باجا عبادت کا مذہبی جُز ہو یا نہ ہو اس فرقہ کا قانونی حق ہے لیکن شاہراہ عام کو بالکل عبادت کیلئے مخصوص نہیں کر سکتے" ہر مذہب کے آدمیوں کو حق حاصل ہے کہ وہ مذہبی جلوس شاہراہ عام پر نکالیں بشرطیکہ وہ پبلک کے دوسرے افراد سے ایسی سڑکوں کے عام استعمال میں مزاحم نہ ہوں اس مقدمہ میں مدعا علیہم نے نہ کسی جگہ کو ظاہر کیا ہے اور نہ کوئی شہادت اس امر کی دی ہے کہ مدعیان کے جلوس اور باجے اور لعن سے یا طبل اور تاشے سے مدعا علیہم یا پبلک کے دوسرے افراد کو اس گلی کے عام استعمال میں مزاحمت ہوتی ہے ان کا اعتراض صرف یہ ہے کہ یہ تمام اسلام کے خلاف ہے اور یہ سب چیزیں سنی اور ناصبان جون پور کے مذہبی احساسات اور جذبات کو مجروح کرتے ہیں جیسا کہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے۔ جج صاحبان کے نزدیک ایسے اعتراض بے بنیاد ہیں جو ملک کے عام حقوق قانونی رعایا یا کسی طبقہ کے حقوق کے خلاف ہوں۔ میں اس کو ابھی ظاہر کرتا ہوں کہ اس مقدمہ کے واقعات اور شہادتوں کی بنیاد پر مدعا علیہم کا مذہبی اور جذباتی اعتراض بھی بے بنیاد ہے بنچ ڈویژن کے ایک دوسرے مقدمہ میں جو الہ آباد لا جنرل صفحہ ۶۲۴ سنہ ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا تھا۔ آنریبل جسٹس مکرجی اور آنریبل جسٹس مینٹ کی یہی رائے ہے اس رپورٹ کے صفحہ ۶۳۸ میں آنریبل جسٹس مکرجی تحریر فرماتے ہیں کہ قانونی عدالت میں فیصلہ کا معیار صرف قانونی حقوق ہی ہونا چاہیئے اور کسی طور پر محض بادشاہ سلامت کی رعایا کے کسی گروہ کے احساسات کو ملحوظ نہیں رکھنا چاہیئے۔ جج صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ہر شہری کو حق حاصل ہے کہ وہ جس طریقہ سے چاہے عبادت کرے یا جلوس نکالے بشرطیکہ ایسا کرنے سے دوسروں کے قانونی حقوق اثر پذیر نہ ہوں آگے چل کر جج صاحب اُسی تجویز میں صفحہ ۶۴۵ میں لکھتے ہیں کہ ہر اُس فعل یا افعال سے مزاحمت ہوسکتی ہے جو کسی خاص شخص یا پبلک

کی تعریف Nuissance جو پبلک نیوسنس Public Nuissance جرم کی نسبت
۲۶۸ تعزیرات ہند میں تحریر ہے اور جج صاحب نے اس دفعہ کی نہایت محتاط تشریح کے بعد تحریر
کیا ہے کہ ایسے افعال جنکی بابت سنی اس مقدمہ میں شاکی ہیں اس دفعہ کی رو سے Public
Nuissance کے جرم میں شمار نہیں ہوتے اس صفحہ پر آگے چلکر جج صاحب کی رائے
ہے کہ "زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے یہ ہے کہ مدعا علیہم کا کوئی فعل یا افعال" ان لوگوں
کے لئے تکلیف دہ ہو سکتے ہیں جو کہ مسجد میں مسلمانوں کی نماز کے وقت موجود ہوتے ہیں لیکن
اگر ہم اس دفعہ (۲۶۸ تعزیرات ہند) کو دیکھیں اور غور سے پڑھیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ
وہ ایذا رسانی جس کے مقصد کی طرف وہ سیکشن اشارہ کرتا ہے اس قسم کی ایذا رسانی نہیں
ہے جس سے رعایا کے کسی گروہ کے مذہبی خیالات پبلک کی دوسری جماعت کے بے گناہ فعل
سے مجروح ہوں۔ اسوجہ سے جج صاحبان نے متعدد مقامات کی تشریحات پر رائے قائم
کی ہے کہ رعایا کی کسی جماعت کی دل آزاری ہو کہ جذباتی بنیاد پر ہو وہ قانونی دل آزاری
نہیں ہو سکتی جس سے دفعہ ۲۶۸ تعزیرات ہند میں مراد ہے ایسے تمام فیصلوں کا خاص اصول
یہ قانون ہے کہ ہر آدمی کو اپنی جائداد سے اپنی خواہشات کے مطابق فائدہ اٹھانے کا حق
حاصل ہے بشرطیکہ ایسا کرنے میں وہ دوسروں کے قانونی حقوق پر اثر انداز نہ ہو۔ اس اصول کی
صحیح وسعت اور حدود جیسا کہ اس ملک میں رائج ہے مقدمہ مذکورہ بالا میں کافی طور پر ظاہر
کردی گئی ہے۔ اس تمام قانون کی مدراس ہائیکورٹ کے تین مقدموں (۵ مدراس
۳۰۹ - ۷ مدراس ۲۰۳ اور ۲۷ مدراس ۳۷۶) میں پورے طور پر بحث کردی گئی ہے پریوی کونسل
کے جج صاحبان نے ان مقدمات کے ان تمام فیصلوں کو منظور کیا ہے جو کہ ۲۲ الہ آباد جلد
۶۷ میں شائع ہوئے ہیں اور اوپر ان کا حوالہ دیا جا چکا ہے اور جج صاحبان پریوی کونسل
نے بمبئی کیس کے ان مقدمات کے فیصلوں کو منسوخ کردیا ہے جس میں کہ ان کے برعکس رائے
قائم کردی گئی تھی یہ مدراس کے مقدمات جن کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے اس مقدمہ میں مدعیان
کے معاون ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ ملک کے قانون کے بموجب جیسا کہ رائج ہے مدعا علیہم کو
اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اگرچہ مدعیان کا فعل سنیوں یا ناجیوں کے احساسات
اور جذبات مجروح کردے خواہ اس سے انکی مذہبی دل آزاری بھی کیوں نہ ہو۔

ان تمام فیصلوں کے بعد اور کچھ کہنا اس بارہ میں بہت زیادہ ہوگا کہ رعایا کا کوئی طبقہ شاہراہ
عام کو اپنے مذہبی یا ملّی جلوس باجے اور گانے اور دوسرے رسومات مذہبی یا ملّی کے ساتھ
جیسا کہ مدعیان نے اس مقدمہ میں طلب کئے ہیں استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے پبلک کا ہر راستہ
یا شاہراہ عام ایسے استعمال کرنے والے کو وقف کر دی گئی ہے۔ اور بہت سے مقدمات جن کا حوالہ
اوپر دیا جا چکا ہے اس سے یہ مطلب پورے طور پر صاف ہو جاتا ہے کہ پبلک کا ہر طبقہ
شاہراہ عام یا سرکاری سڑک کو ان مقاصد کیلئے جن کو مدعیان نے اس مقدمہ میں طلب
کیا ہے قانوناً استعمال کر سکتا ہے چونکہ ملک کے قانون کی گنجائش اور اسکے صحیح مقصد پر

جیسا کہ اس مقدمہ میں قانونی نکات پر بحث ہوئی ہیں بہت سخت بحث ہو چکی ہے میں ذیل میں
اس قانون کا خلاصہ جیسا کہ احکام بالا کے فیصل شدہ مقدمات سے حاصل ہوا ہے درج کرتا
ہوں جسکی میں اس مقدمہ کے فیصل کرنے میں تقلید کرونگا۔

۱۔ پبلک کے ہر طبقہ کو اختیار ہے کہ وہ ہر گلی یا شاہراہ عام سے مذہبی یا ملّی جلوس مع ایسے
مذہبی یا غیر مذہبی اعمال یا نشانات کے ساتھ جیسا ضروری خیال کریں اور ایسے باجوں اور گانوں
یا تقریروں کے ساتھ جیسا کہ وہ اپنے مقصد کے موافق مناسب خیال کریں لیجا سکتے ہیں (۲۳
الہ آباد لا جرنل ۱۷۹ صفحہ ۱۸۰ سنہ ۱۹۳۱ء الہ آباد لا جرنل ۲۴ و سنہ ۱۹۳۱ء الہ آباد لا جرنل ۳۵ صفحہ ۳۵۷)

۲۔ پبلک کے کسی دوسرے طبقہ کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ایسے جلوس کے نکالنے یا مذہبی یا
دوسرے اعمال یا دوسرے رسومات یا گانے بجانے یا نظم خوانی یا تقریروں پر جو کہ اسمیں کیجائیں
صرف اس بنا پر اعتراض کرے کہ اس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے یا مذہبی احساسات
مجروح ہوتے ہیں پبلک کے دوسرے طبقہ کے اس قسم کے اعتراضات اس وقت قابل
توجہ ہو سکتے ہیں جبکہ یہ جلوس اور مذہبی اعمال یا گانے یا تقریریں Public
Nuissance یا دوسرے دفعات جو کہ ملک میں رائج ہیں ان کی حد تک پہونچے۔ یا پبلک
کے دوسرے طبقہ کے قانونی اور حقیقی حقوق کو شکست کریں (۳۲ الہ آباد لا جرنل ۱۷۹
و سنہ ۱۹۳۱ء الہ آباد لا جرنل ۳۵ صفحہ ۳۵۷، ۳۰ الہ آباد ۱۸ سنہ ۱۹۰۸ء الہ آباد لا جرنل ۲۴ صفحہ
۲۳۸ لغایت ۲۴۱) واقعاتی نتیجہ جو کہ اس قانونی سند کے آخری حصہ سے پیدا ہوتا ہے یہ ہے
کہ شیعوں کے افعال جنکے متعلق مدعا علیہم نے اس مقدمہ میں اعتراض کیا ہے آیا وہ پبلک

نیوسنس (Public Nuisance) کے جرم یا دوسرے جرم کی حد تک پہونچتے ہیں یا نہیں اور ان سے مدعا علیہم کے حقیقی حقوق شکست ہوتے ہیں یا نہیں۔ قانون فوجداری کی معقول وسعت میں جو کسی ممکن جرم کے واسطے کسی معقول دلیل کے ساتھ لائی جا سکتی ہے وہ مدعیان کے افعال زیر دفعات ۲۶۸ و ۱۵۳ الف اور ۲۹۶ تعزیرات ہند میں۔ قبل اسکے کہ میں ان دفعات کے مخصوص حقوق کی تشریح کروں اور اس مقدمہ میں ان کے چسپاں کرنے کی کوشش کروں یہ ضروری ہے کہ میں تحریری شہادتوں کے واقعات سے یہ ظاہر کردوں کہ شیعوں کے ان افعال کی بنا پر مدعا علیہم نے اعتراض کیا ہے واقعی حقیقت کیا ہے۔ عملی طور پر مدعا علیہم اس بات پر معترض نہیں ہوئے کہ مدعیان کو اپنے جلوس زینت مع ماتم، نوحہ طبل و تاشہ نکالنے کا حق نہیں ہے بلکہ جس امر پر کہ وہ واقعی معترض ہوتے ہیں وہ شیعوں کا قانوناً یقین پر یا پہلے تین خلیفوں پر تبرا کہنا ہے اور میرے نزدیک اس مقدمہ میں یہی ایک اہم اور اصلی پوائنٹ قابل فیصلہ ہے اور اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مسئلہ خالی از دقت نہیں ہے۔

میں نے اسلام کی ترقی کی ابتدائی تاریخ بیان کر دی ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ کن تاریخی واقعات کے ماتحت شیعہ اور سنی یا ناصبی کے درمیان تواریخی بنیادی اختلافات ہیں اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ شیعوں کا یہ پختہ اعتقاد ہے کہ پہلے تین خلیفہ یعنی ابوبکر۔ عمر و عثمان تخت خلافت کے صریحی غاصب تھے اور موزوں شخص حضرت علیؑ تھے اور یہ ان کا اصلی اعتقاد ہے کہ یہ پہلے تین خلیفہ حضرت علی اور ان کے لڑکوں کے اور اہلبیت کے دشمن تھے اور ان کی پالیسی اپنے زمانہ حکومت میں بہت بڑی حد تک اہلبیت کی تباہی و حضرت علیؑ کی شہادت اور معرکہ کربلا کا باعث تھی۔ اس وجہ سے وہ اس پختہ اعتقاد کی وجہ سے پہلے تین خلیفوں کو ان کے عنصر دشمن سمجھ کر ان پر لعنت بھیجتے اور ان پر نفرین کرتے ہیں اس وجہ سے وہ ان خلیفوں پر تبرا کہتے ہیں تاریخ اسلام کا یہ واقعہ مسلمہ ہے کہ امام حسینؑ کی شخصیت جاذب ترین تھی اور اعتقاد اسلام کے سب سے بڑے ہیرو تھے ممکن ہے کہ وہ ایک بڑے پالیٹیشن (سیاستدان) یا دور اندیش اور مدبر نہ ہوں ممکن ہے کہ انھوں نے غلط فیصلہ کیا ہو۔ ان میں دور اندیشی کی کمی ہو۔ جیسا کہ فرانسیسی مورخ دونس

ایچ لیمنس نے لکھا ہے یا ممکن ہے کہ وہ بہت ہی سیدھے سادے اور سادہ دل ہوں جیسا کہ دوسرے مورخین نے بیان کیا ہے لیکن اس امر کا کہ وہ مسلم تاریخ کے عابد ترین ہستی اور سب سے بڑے روحانی ہیرو تھے کسی سے بھی انکار نہیں ہو سکتا ہے وہ نبیؐ کے نواسے تھے جن سے کہ رسول اللہ بہت محبت کرتے تھے اور وہی نبیؐ کے تنہا وارث تھے۔ وہؑ حالات کے ماتحت کئے گئے کہ ان سے سخت ترین دل بھی ان خوفناک واقعات کے (سننے سے) رنج وغم سے پگھل جاتا ہے اور وہ واقعات حادثہ کربلا کے نام سے موسوم ہیں شیعوں کے اصلی اعتقادات میں سے ایک یہ ہے کہ امام حسینؑ اپنے باپ علیؑ یا اپنے بھائی حسنؑ کی جانشینی کے لئے جائز خلیفہ تھے اور معاویہ صریحی غاصب تھے اور ان کے لڑکے یزید کی تخت نشینی ایک کھلی ہوئی ناانصافی تھی جو کہ معاویہ نے اور اُن کے ساتھیوں نے اسلام اور اہلبیت کے ساتھ کی انہیں میں سے شیعوں کے بہت سے اعتقادات مستند تاریخوں پر جیسا کہ اوپر تحریر کیا ہے قائم رہیں۔ اس کے بارے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ معاویہ ابن ابوسفیان کے بیٹے تھے جو محمدؐ اور ان کے اسلام کے پکے دشمن تھے اور ان کا لڑکا یزید دونوں ہمیشہ نبیؐ اور اون کے دین کے مخالف رہے اور اونھوں نے پالیسی اور کشیدہ دلی سے نبیؐ کا مذہب قبول کیا اور اسکو بعد میں کھلم کھلا چھوڑ دیا۔

معاویہ اور یزید دونوں کے کارنامے مستند تاریخوں سے بالکل سیاہ ہیں

معاویہ اور یزید دونوں کے کارنامے مستند تاریخوں میں بالکل سیاہ ہیں۔ اور قاتلان حسینؑ وحشی قسم کے سنگدل اجورے وار تھے (کرایہ کے آدمی) معاویہ وہ آدمی تھے جنھوں نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر کے لڑکے محمد کو گدھے کی کھال میں بھرواکر زندہ جلوا دیا اور وہ وہ شخص تھے جس نے حضرت عائشہ کو اپنے پاس دعوت کیلئے دھوکے سے بلایا اور ان کو ایک خس وخاشاک سے ڈھکے ہوئے گڑھے پر بٹھلایا اور ان کو اسمیں گرواکر مروا ڈالا۔ صرف اس معمولی بناء پر کہ اونھوں نے یزید کی نامنصفانہ نامزدگی کی مخالفت کی تھی۔ بہرحال تیقن کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس اعتقاد کیلئے کافی تواریخی مواد موجود ہے کہ معاویہ یزید اور قاتلان حسینؑ بدترین انسان تھے۔ اور

شیعوں کا اس قسم کا اعتقاد جو کہ گذشتہ کئی صدیوں سے رہا بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا ہے اِن کا اعتقاد ہے کہ یزید امام حسینؑ کی پر جفا شہادت کا ذمہ دار تھا اور تینوں خلفاءؓ ان واقعات کے ابتدائی اور مخصوص کرتا دھرتا تھے۔ شیعہ تعزیوں کے جلوس کو نوحہ ماتم کے ساتھ۔ ہندوستان اور ایران میں کم سے کم سولہویں صدی عیسوی سے نکالتے رہے ہیں۔ (گولڈن ڈیڈز آف امام حسینؑ صفحہ ۱ و ۲)

یہ ایک تاریخ کا سوال ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور ہم میں سے جو سب سے بوڑھے ہیں ان کے لئے یہ معاملہ عام مشاہدہ اور عام واقفیت کا ہے کہ ہم اپنے بچپنے سے ان تعزیوں کے جلوسوں کو اور شیعوں کو نوحہ و ماتم کرتے دیکھتے چلے آئے ہیں۔ تعزیہ کربلاء معلّٰی کے مقبرے کی شبیہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ نوحہ و ماتم میں مرثیئے پڑھے جاتے ہیں جن میں کہ دل دکھانے والے اور حسرت ناک واقعات کہ کس طرح حسینؑ اور ان کے بہتّر رفقاء کے ساتھ یزید کی اتنی بڑی فوج پیش آئی مندرج رہتے ہیں وہ برہنہ سر اور برہنہ پا اپنے پیشوا کے انجام پر انتہائی غم میں سینہ پیٹتے ہوئے جلوس کے ہمراہ چلتے ہیں۔ کیا ہم میں سے سب سے زیادہ شکی آدمی یہ کہنے کی ہمت کر سکتا ہے کہ شیعہ یہ سب صرف نمائش! تماشہ یا سنیوں اور ناصبیوں کے جذبات مجروح کرنے کیلئے یا ان کی ایذا رسانی کیلئے کرتے چلے آئے ہیں؟۔ کوئی آدمی اس کا یہ مطلب نہیں سمجھ سکتا جب کہ وہ اپنا جلوس مختلف علم اور رسومات کے ساتھ لے جاتے ہیں تو روتے جاتے ہیں اور وہ اپنی تاریخ کے اس حصہ کی تفصیلی واقعات اور وجوہات بیان کرتے جاتے ہیں ان سب کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قاتلان حسینؑ پر اور ان لوگوں پر جو اس واقعہ کے بانی تھے لعنت و نفرین کرتے ہیں۔ جب کہ امام حسینؑ کی شہادت کی رسومات پورے انہماک کے ساتھ منائی جا رہی ہوں تو اُن لوگوں پر لعنت کا کہنا روکا نہیں جا سکتا اس ڈرامہ کی تصویر کبھی پوری ہی نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ واقعہ کا یہ حصہ بھی اپنی پوری وضاحت کے ساتھ مناسب طور پر ظاہر نہ کیا جائے۔ آپ امام حسینؑ کی شہادت بلا اس امر کا اظہار کئے ہوئے کیسے منا سکتے ہیں کہ کون لوگ ہیں جنھوں نے ان کو شہید کیا اور وہ لوگ کس قسم کے تھے اور آیا وہ قابل نفرین ہیں یا نہیں؟۔

جواز لعنت

اس وجہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیعوں کا قاتلان حسینؑ پر یا پہلے تین خلفاء پر نفرین کرنا اور لعنت بھیجنا ان کے پختہ ایمان اور اعتقاد کے موجب ہے جو کہ صدیوں سے رسومات اور ان کی عملی کارروائیوں پر مبنی ہے۔ لعنت کہنا سوائے اس اظہار کے اور کچھ نہیں ہے کہ خدا کی رحمت ان لوگوں سے منقطع ہو جائے اور خدائے قادر سے یہ اپیل کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ان کو مناسب سزا دے۔ قاتلان حسینؑ اور تینوں خلفاء اب زندہ نہیں ہیں تو پھر سوائے اسکے اور کونسی ممکن صورت ہوسکتی ہے جس سے شیعہ امن وامان کے ساتھ اُن تاریخی ناانصافیوں کا بدلہ لیں جو ان کے بارے میں اور ان کے پیشوا اول کے بارے میں ہوئیں کہ وہ مسکینی اور انکساری سے قادر مطلق کے جناب میں اس سے بروز قیامت مناسب انصاف کرنے کی اپیل کریں یہ پوائنٹ کہ آیا کوئی ایسا شخص جو خدائے قادر سے ایسی اپیل کرنے کو پسند نہیں کرتا شیعوں کو ان قانونی حقوق سے روک سکتا ہے جو کہ ان کو حاصل ہیں۔ اور اوپر مستند حوالوں سے بیان کئے جاچکے ہیں۔ میں ایسی رائے قائم کرنے کیلئے رضامند نہیں ہوں خدا سے انقطاع رحمت کی دعا کرنا واقعی سزا دینے کے برابر نہیں ہوتا تو ممکن ہے کہ یہ یقین کر لیا جائے کہ خدا شیعوں کی اس دعا کو قبول ہی کرے گا۔ یا خود رسول خدا اسے بروز قیامت اپنی شفاعت سے محروم کردینگے۔ اس لئے میں اس خیالی رونے پیٹنے یا دعاؤں پر سنیوں یا ناصبیوں کا کوئی مذہبی اعتراض کسی معقول دلیل پر نہیں پاتا۔ جہانتک کہ سنیوں کا تعلق ہے۔ شیعوں کے ان افعال کے متعلق ان کے اعتراضات ضبط تحریر میں ہیں اور میں نے ان کی تفصیل اس تجویز کے دوسرے صفحہ پر سلسلہ وار کی ہے۔ ان پوائنٹس کو یکے بعد دیگرے لیتا ہوں۔"

سنیوں کے اعتراضات

۱۔ سنیوں کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ شیعہ جب اپنا جلوس لے جاتے ہیں تو وہ پہلے تین خلفاء پر آہستہ سے لعنت کہتے ہیں یہ خلاف قانون ہے اور ان کو ایسا کرنے کی اجازت

نہ ملنی چاہیئے ۔ یہ مدعاعلیہم کہتے ہیں کہ شیعہ خفیہ طریقہ سے ایسا کرتے ہیں اور اس کی طبل کی آواز سے پردہ پوشی کرتے ہیں اور تمام راستہ میں لوگوں (بیرونی دنیا) سے کہتے ہیں کہ وہ قاتلان حسینؑ پر لعنت کرتے ہیں ۔ یہ سنیوں کا قول ہے کہ تینوں خلیفوں پر شیعوں کا ایسا لعن بیرونی پبلک کو نہیں سنایا جاتا ۔ میرے خیال میں یہ اعتراض نہایت ہی پر مذاق ہے ۔ ہر ایک آدمی کو حق حاصل ہے کہ جو اس کے منہ میں آئے کہے یا ایسی آوازمیں جو دوسروں کو نہ سنائی دے جوجی چاہے کہے ۔ یہ پوائنٹ اتنا صاف ہے کہ اس پر بحث کی ضرورت نہیں اسکے علاوہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ شیعوں کو خلفاء ثلاثہ پر بوجہ اپنے ایماندارانہ مذہبی اعتقاد کے جو ان (خلفاء ثلاثہ) کے خلاف ہے لعن و نفرین کرنے کا ہر حق حاصل ہے اور سنی اور ناصبی اس بنیاد پر اعتراض نہیں کرسکتے کہ اس سے ان کے مذہبی احساسات مجروح ہوتے ہیں اور اگر شیعہ خلفاء ثلاثہ پر شاہراہ عام پر اس طرح سے لعن بھیجتے ہیں کہ وہ سنا جاسکے تو ان کو ایسا کرنے کا پورے طور پر حق ہے ۔

(۲) یہ امر کہ قاتلوں میں سے کچھ لوگ حضرت علیؑ یا رسول اللہ کے رشتہ دار تھے یا یہ کہ وہ مسلمان تھے کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان پر لعنت نہ بھیجی جائے بشرطیکہ ان پر امام حسینؑ کے قتل کے جرم کا یقین ہو ۔ ابوسفیان اور معاویہ بھی خود رسول اللہ کے رشتہ دار تھے وہ عرب کے قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے اور رسول اللہ کے بہت سے کافر رشتہ دار تھے جو اسی حالت میں مرے اور جنھوں نے اپنی تمام زندگی میں رسول اللہ کے مشن اور مذہب کو برباد کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ۔ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان پر لعنت بھیجنے یا نفرین کرنے کو صرف رشتہ داری روک سکتی ہے ؟

(۳) اس ضلع میں ناصبیوں کا وجود بہت مشتبہ ہے اور مجھے شبہ ہوتا ہے کہ سنیوں نے ناصبیوں کے وجود کا سوال صرف اسوجہ سے پیش کیا ہے کہ جہاں تک سنیوں کا تعلق ہے ان کے پاس قاتلان حسینؑ پر لعنت بھیجنے کی رکاوٹ کیلئے مذہبی اور قانونی دلائل نہیں ہیں ۔

جون پور کا فرقۂ ناصبی

اس مقدمہ میں شیعہ خلفاء ثلاثہ پر لعن بھیجنے کے (استحقاق) کے ملتجی نہیں ہیں اسوجہ سے

اس مقدمہ میں اسکے متعلق کوئی ڈگری نہیں دی جا سکتی اور جہانتک اس مخالفت کا تعلق ہے سنّی محفوظ ہیں۔ مدعا علیہم اپنے بیان تحریری میں بھی اس کا اظہار نہیں کرتے کہ جونپور میں ایک فرقہ ناصبی ہے جو معاویہ اور یزید کو اپنا پیشوا مانتا ہے وہ سرسری طور پر اشارہ کرتے ہیں کہ جونپور میں ایک فرقہ ہے جو یزید اور قاتلان حسینؑ کو اپنا پیشوا مانتا ہے۔ اور بدینوجہ اس سے نقض امن کا اندیشہ ہے صرف ایک گواہ عبدالعزیز پیش کیا گیا ہے جو کہتا ہے کہ وہ شیعہ بنی امیہ ہے وہ کہتا ہے کہ اس فرقہ کے دشمن یعنی شیعہ ان کو ناصبی کہتے ہیں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ وہ یزید کو اپنا امام اور خلیفہ اور دوسرے قاتلان حسینؑ یا یزید کے مددگاروں کو غازی مجاہد اور انصار کہتا ہے وہ کہتا ہے کہ اگر ان ساتوں آدمیوں میں سے جن کا ذکر مدعیان نے کیا ہے کسی پر اگر لعنت کہی گئی تو اسکے فرقہ کے لوگوں کی یعنی ناصبیوں کے مذہبی جذبات بہت مجروح ہونگے اور اس سے جوش پیدا ہوگا۔ اس کا بیان ہے کہ جونپور میں اس کے فرقہ کے لوگ ایک ہزار سے لیکر بارہ سو تک ہیں۔ یہ ایک معمولی ملازم ہے جو بیس روپیہ ماہوار ایک مدرسہ میں پاتا ہے اور چندہ وصول کرنے کا کام کرتا ہے اور وہ سنیوں کے ایک یتیم خانہ میں بھی دس روپیہ ماہوار پر ملازم تھا اس نے کوئی مستند حوالہ یا کتابیں پیش نہیں کیں جس میں اس کے اعتقاد اس کے فرقہ کے کسی طبقہ نے تحریر کئے ہوں مدعا علیہم کے کچھ اور گواہان نے بھی جونپور میں ناصبیوں کے وجود کا اظہار کیا ہے اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل غور یہ امر ہے کہ تبرّے کے متعلق جونپور میں گذشتہ کئی سال سے جھگڑا چلا آرہا ہے اور یہ کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی ناصبی نے شیعوں کے تبرّے پر اعتراض کیا ہو۔ یا حکام ضلع کے پاس شیعوں کے خلاف اسکے روکنے کی شکایت کی ہو۔ اب جو کچھ کہ ہم سنتے ہیں وہ یہ ہے کہ مقدمہ کے دوران میں کچھ آدمیوں نے شیعیان بنی امیہ بنکر شیعوں کے خلاف جلوس نکالنے اور قاتلان حسینؑ کی مدح خوانی کیلئے استقرار حق کا دعویٰ دائر کیا ہے۔ صرف گذشتہ سال قبل (یا پارسال) عبدالعزیز گواہ نے ایک اشتہار جو پہلی ہی مرتبہ چھپوایا تھا جن میں کہ اس قسم کے جلوس کے ابتدا کرنے کی نیت کا اظہار کیا گیا تھا۔ ان تمام باتوں سے مجھ کو یقین ہو گیا کہ جونپور میں ناصبیوں کے قیام کا دعویٰ اور ان کا یزید اور قاتلان حسینؑ کو مذہبی پیشوا ماننا یقین کے قابل نہیں بدینوجہ ان واقعات سے ناصبیوں کے جونپور میں قیام یا اُن کے اقراری اعتقاد کی نسبت میری تجویز

مدعا علیہم کے خلاف ہوتی ہے۔ اس بات کو اگر مان لیا جائے کہ جونپور میں کوئی ایسا فرقہ ہے اور ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یزید اُن کا پیشوا تھا اور ہے اور قاتلان حسینؑ پر لعنت کہنے سے اُنکے مذہبی جذبات مجروح ہوتے ہیں تو میری رائے میں قانون کے اصول کے مطابق جو کہ اوپر بیان کئے جاچکے ہیں انکے اس قسم کے اعتراضات کو مدعیان کے قانونی حقوق کے مقابلہ میں اجازت نہیں دیجاسکتی میں نے اس پوائنٹ پر مدعا علیہ کی شہادت خوب غور سے پڑھی ہے اِن کی تمام شہادت یہ ہے کہ مدعیان نے جو قانونی حقوق کو پورا کرنے کیلئے التجا کی ہے ان افعال سے ان کے مذہبی احساسات اور جذبات مجروح ہوتے ہیں اور بدینوجہ اس بنیاد پر وہ چاہتے ہیں کہ مدعیان کے حقوق سے انکار کر دیا جائے اور انکا یہ دعوے نہیں ہے اور نہ کوئی شہادت ہے کہ مدعیان کے ان افعال سے ہم لوگوں کے کسی قانونی وجسمانی استحقاق کا نقصان ہوتا ہے اور وہ اپنی ایسی کسی (قانونی وجسمانی) تکلیف کو نہ بیان کرتے ہیں اور نہ ثابت کرتے ہیں۔ حقیقی تکلیف (جس کو قانون جانتا ہے اور جسکی حفاظت کے لئے قانون تیار رہتا ہے) وہ جسمانی یا قانونی استحقاق کی ایذا رسانی ہے۔ یہ خیالی یا مذہبی حق نہیں ہے۔ میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس پوائنٹ پر مذکورہ بالا فیصلوں میں خاص طور سے اس امر پر کافی طور پر زور دیا گیا ہے اسلئے مدعا علیہم کا معاملہ اس پوائنٹ پر بھی فیل ہوتا ہے۔ (۴) چوتھا اور آخری اعتراض یہ ہے کہ تعزیہ داری بحیثیت مجموعی مع تمام رسومات باجوں اور نوحہ وماتم کے مذہب اسلام کے اور مذہب شیعہ کے خلاف ہے۔ اور اسوجہ سے بھی شیعہ اس دادرسی کے مستحق نہیں۔ صرف اس پوائنٹ سے کہ مدعیان کے یہ افعال اسلام کے اور مذہب شیعہ کے مستند مسائل کے خلاف ہیں اس سے بھی مدعا علیہم کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ میں نے اوپر ظاہر کر دیا ہے کہ شیعوں کا عام طور سے ان امور پر جن کی خواہش کی گئی ہے نہایت برحق اعتقاد ہے اور وہ ان کو اپنے مذہب کا جزو خیال کرتے ہیں عدالت دیوانی کے فیصلہ کے مقصد کیلئے یہ کافی ہے کہ مدعیان کا اُن پر ایسا سچا اعتقاد ہے۔ مجھے یہ فیصلہ نہیں کرنا ہے کہ آیا وہ اعتقاد صحیح ہے یا غلط اور یہ غیر ضروری ہے کہ آیا یہ اعتقاد اسلام یا مذہب شیعہ کی سچی اسپرٹ کی خلاف ہے یا نہیں۔ مقدمہ کا یہ حصہ ختم کرنے سے پہلے میں منقول مستند حوالہ تحریر کرونگا۔ جس سے مجھ کو یقین ہو گیا کہ مذہبی پوائنٹ

زیر بحث پر شیعوں کا اعتقاد کافی مذہبی مواد پر قائم ہے جس سے ہم اخذ کرسکتے ہیں کہ ان کا اعتقاد ان امور پر اصلی۔ سچا اور بیانداراانہ ہے۔ امام رضاؑ نے فرمایا ہے کہ جو شخص شراب اور شطرنج کو دیکھ کر حسینؑ کو یاد کرے اور یزید اور اسکی اولاد پر لعنت کرے تو خداوند عالم اسکے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ خواہ اسکے گناہ اتنے ہی زیادہ ہوں جتنے کہ ستارہ ہیں۔ (کتاب بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۴)۔ ایک دوسری حدیث۔ ریان بن شبیب سے منقول ہے کہ جسمیں روایت کیگئی ہے کہ اگر کوئی شخص جنت میں جانا چاہے تو وہ قاتلان حسینؑ پر لعنت کرے۔ (وہی کتاب صفحہ ۱۸۴) ایک دوسری حدیث ابو عبد اللہ سے اس بارے میں ہے (وہی کتاب صفحہ ۱۸۵) آگے چل کر مذکورہ ذیل اسی مصنف سے ہم کو دستیاب ہوتا ہے "پس رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ خدا قاتلان حسینؑ اور ان کے دوستوں اور مددگاروں کو بھی اور ان لوگوں کو بھی جو کہ ان پر لعنت نہیں کرتے اپنی رحمت سے دور رکھے"۔ مذکورہ ذیل شیعوں کی دوسری مستند کتاب میں مندرج ہے "اور حسینؑ ابن علیؑ کو کربلا میں سنان ابن انس نے قتل کیا۔ خدا اسکو اپنی رحمت سے دور رکھے ..... اور خدا و رسول و امام پر اعتقاد بغیر ان کے دشمنوں سے تبرا کئے ہوئے پورا نہیں ہوتا۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ نبی اور امام کے قاتل کافر ہیں اور جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ (اعتقادات شیخ صدوق) ایک دوسری حدیث مثیر الاحزان میں جعفر بن محمد بن نما سے منقول ہے کہ جس میں تحریر ہے کہ جب رسولؐ کی بیماری بڑھ گئی تو نبیؐ نے امام حسینؑ کو لپٹایا اور کہا میرا یزید سے کوئی تعلق نہیں ہے خدا اس کی مغفرت نہ کرے۔ خدایا تو یزید کو رحمت سے دور رکھ رسولؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے ہاں میں اور قاتلان حسینؑ بروز قیامت خدا کے سامنے موجود ہونگے"۔

دوسری حدیث حسب ذیل ہے۔ "خدایا اُن لوگوں کو جنھوں نے انکو (حسینؑ کو) شہید کیا اور ان لوگوں کو جنھوں نے ایذائیں پہونچائیں اور ان لوگوں کو جنھوں نے یہ سنا اور اس پر رضا مند ہوئے اپنی رحمت سے دور رکھ (زاد المعاد صفحہ ۳۴۸) اور اسی کتاب میں صفحہ ۵۹۲ پر ایسی ہی دوسری حدیث اور بھی ہے ان تمام سے ظاہر ہوگا کہ یزید اور قاتلان حسین پر لعنت بھیجنے کی وہ حدیثیں تائید کرتی ہیں جن کو کہ مستند شیعہ علماء نے صحیح تسلیم کرلیا.....

سوائے امام حسینؑ پر گریہ وزاری کے اور کوئی رونا پیٹنا جائز نہیں ہے (من لا یحضرہ الفقیہ صفحہ ۱۷۹)

بحارالانوار کے صفحہ ۱۸۰ میں امام علی رضاؑ سے ایک حدیث نقل کیگئی ہے جسمیں کہ رسومات محرم اور شہادت امام حسینؑ پر گریہ وزاری کی تائید کیگئی ہے اس کتاب کے جلد ۱۰ کے صفحہ ۲۰۱ میں ایک حدیث ہے جسمیں کہا گیا ہے کہ جب امام حسینؑ پیدا ہوئے تو یہ بچہ نبیؐ کو دیا گیا تب رسولؐ اللہ روئے اور اسماء سے کہا کہ وہ اُن سے کچھ خبر نہ کہیں گے اور انھوں نے کہا کہ یہ بچہ شہید کیا جائے گا۔ نبیؐ نے کہا کہ خدا اس کے قاتلوں پر لعنت کرے۔ نبیؐ نے حسب ذیل کہا میں اپنے بچہ کیلئے روتا ہوں جسکو کہ اسلام کے باغی اور بنی امیہ کے کافر شہید کرینگے۔ اور بروز قیامت میں ان کی شفاعت نہیں کرونگا۔ خداوندا تو ان دونوں (حسنؑ وحسینؑ) کو دوست رکھ اور ان کو دوست رکھ جو ان کو دوست رکھیں اور تو ان کے دشمنوں پر لعنت کر خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ" ایک کتاب مسمٰی بہ ذخیرۃ المعاد کے صفحہ ۶۳۵ پر گریہ وزاری کرنے کی اور ماتم امام حسینؑ میں سر وسینہ اور منہ پیٹنے کی اور طبل اور اسکے متعلق باجے کی اجازت دیگئی ہے من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول صفحہ ۵۷ پر اسکے متعلق ایک دوسری سند دی ہے۔ دوسری حدیث روضۃ الصفا کے صفحہ ۷۹ پر ہے جس میں کہ یہ تحریر ہے کہ حمزہؓ کی شہادت پر نبیؐ نے اپنی عورتوں کو اُن کی موت پر گریہ وزاری کرنے کا حکم دیا اور جب آدھی رات کو اُن کی آنکھ کھلی اور عورتوں کے رونے کی آواز سنی تو فرمایا کہ خدا تم سے اور تمھاری اولاد سے اور ان کی اولاد سے رضامند ہو" کتاب تذکرۃ خواص الامۃ صفحہ ۱۵۴ پر یہ درج ہے کہ حسینؑ شہید اسلام ہیں اور اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۶۲ پر ان امور کا نہایت مستحکم جواب ہے کہ یزید بہت خراب آدمی تھا۔ یزید اور قاتلان حسینؑ مستحق لعن ہیں۔ میں اسی سلسلہ میں رسول اللہ کی ایک مشہور حدیث کا ذکر کرونگا کہ نبیؐ نے اعلان کیا تھا کہ جن لوگوں نے جنگ قسطنطنیہ میں حصہ لیا ہے بخش دیئے گئے ہیں اور یہ کہا جاتا ہے کہ یزید نے بھی لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ اور اس وجہ سے اس پر لعنت بھیجنا اسلام کے اور احکام نبوی کے خلاف ہے اس پر لعنت بھیجنے سے یہ مطلب ہے کہ وہ نہ بخشا جانے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۲ پر ایک دوسری حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے جس میں تحریر ہے کہ "نبی نے فرمایا ہے کہ جو شخص اہل مدینہ کو تکلیف پہونچائے خدا اس پر عذاب کرتا ہے اور خدا کی اور فرشتوں

کی اور تمام انسانوں کی اس پر لعنت ہے اور بروز قیامت اس کا کوئی عمل قبول نہیں کیا جائیگا" اور اس کتاب کے مصنف نے صحیح بخاری سے حدیث اس امر کے متعلق تحریر کی ہے کہ جو اہالئ مدینہ کو کوئی تکلیف پہونچانے کا ارادہ کرتا ہے وہ داخل جہنم ہوگا۔ قسطنطنیہ کی حدیث کے بارے میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ یہ ابوایوب انصاری کیلئے ہے یہ سنیوں کی بہت مستند کتاب ہے اور مدینہ کے متعلق جو حدیثیں ہیں اُن کو سب نے تسلیم کیا ہے کہ یزید نے اہالئ مدینہ کو تباہ و برباد کیا اس وجہ سے ان حدیثوں کے مطابق کہ رسول کے احکامات ملتے ہیں یزید ضرور داخل جہنم ہوگا۔ اگر شیعوں کا اعتقاد اس قسم کے اسناد کی مضبوطی کی وجہ سے ہے جو کہ اس مقدمہ کا اصل موضوع ہے تو میرا خیال ہے کہ ان کا اعتقاد کافی طور پر مستحکم ہے۔

مدعیان کی شہادت

مدعیان نے کل پانچ گواہ پیش کئے ہیں (۱) عبدالغفور وہ بیان کرتے ہیں کہ میں مذہب کا لکچرار (واعظ) ہوں وہ کہتے ہیں کہ میں نے شیعہ اور سنّی دونوں کی کتابوں کو پڑھا ہے۔ انھوں نے شہادت دی ہے کہ مدعیان کا ہر فعل جو اس مقدمہ زیر بحث میں ہے مذہب اسلام کے پورے مکمل اسناد پر ہے اُنھوں نے صاف طور سے صفحہ ۷ پر کہدیا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جو قاتلان حسینؑ کو اچھا آدمی سمجھتا ہو۔ (۲) طالب حسین ایک بڑے زمیندار ہیں جو سات آٹھ سو روپیہ تک کے مالگزار ہیں وہ شیعہ ہیں اور پہلے گواہ کی تائید کرتے ہیں اپنی شہادت کے تیسرے صفحہ پر کہتے ہیں کہ جون پور میں اس وقت تک شیعیان بنی امیہ نہیں تھے۔ (۳) سیّد فضل علی یہ مذہب اسلام کے عالم ہیں وہ بھی مدعیان کے ان امور کو جو اس مقدمہ میں ہیں ثابت کرتے ہیں۔ (۴) فصاحت حسین ہیں جو دو سَو ستاسی روپیہ انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں وہ بھی مدعیان کے مطالبات کی تائید کرتے ہیں۔ (۵) آخری گواہ ہیں یعنی مظفر حسین یہ مذہب شیعہ کے عالم ہیں اور اُنھوں نے شیعوں کی مستند کتابوں کے حوالہ سے مدعیان کے اعتقاد کو ثابت کیا ہے۔ یہ تمام گواہ شیعہ ہیں جیسے کہ مدعا علیہم کے تمام گواہ سنّی ہیں۔ مدعیاں کی طرف کی زبانی شہادتیں میرے نزدیک مدعا علیہم کی زبانی شہادتوں سے زیادہ وزنی ہیں عام طور سے مدعیان کے گواہ جنھوں نے واقعات کے متعلق شہادت دی ہے بہتر حیثیت کے ہیں۔ مدعا علیہم نے کل آٹھ گواہ پیش کئے ہیں ملا محمد ایوب صدیقی

ایک سنّی عالم ہیں وہ کہتے ہیں کہ سنّی مذہب کے نزدیک کسی مخصوص آدمی کا نام لیکر لعنت بھیجنا ناجائز ہے وہ کہتے ہیں کہ جونپور میں کچھ ناصبی ہیں اور تعزیہ کا جلوس اور اسکے لوازمات شیعہ مذہب کے نزدیک ناجائز ہے۔ ان کو اقبال ہے کہ قاتلان حسین خراب آدمی تھے یہ گواہ ایک معمولی آدمی ہے جسکی تنخواہ اٹھائیس ۲۸ روپیہ ماہوار ہے۔ ۲
دوسرے سنّی مولوی علی حسن ہیں وہ اس مقدمہ میں مدعا علیہ بھی ہیں وہ بھی انھیں واقعات کو بیان کرتے ہیں جو مدعا علیہم کے گواہ نمبر ایک نے بیان کیا ہے بحیثیت مدعا علیہ کے ان کو اس مقدمہ کے نتائج سے بہت بڑی دلچسپی ہے میرے نزدیک ان کے بیان کا کوئی یقین نہیں کیا جا سکتا ۳ دوسرا مدعا علیہ ہے جنھوں نے اس مقدمہ کے اصل واقعات پر کچھ نہیں کہا وہ صرف یہ کہنے کے لئے آئے تھے کہ مدعیان کو ان کے خلاف کوئی بنائے مخاصمت نہیں ہے گواہ ۴ لغایتہ ۷ اس مقدمہ کے تمام مدعا علیہم ہیں اور محض بنائے مخاصمت کے انکار کرنے کیلئے پیش کئے گئے ہیں گواہ ۷ حکیم محمد یٰسین ایک سنّی عالم ہیں وہ ان اعتقادات کی تفصیل دیتے ہیں جو ایک سچے مسلمان کے ہونے چاہئیں وہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جونپور میں ناصبی ہیں اسوجہ سے انکا بیان جو کچھ ہو آسانی سے یقین نہیں کیا جا سکتا۔
آخری گواہ ۸ عبدالعزیز ہے جس نے ناصبی ہونے کا اقرار کیا ہے اور اسکے بارے میں میں کافی کہہ چکا ہوں۔ میں نے اس شہادت کو قدرے اختصار کے ساتھ تحریر کیا ہے کیونکہ اس قسم کی شہادت جو فریقین مقدمہ نے اپنے اپنے اعتقادات کے بارے میں دی ہے اس مقدمہ کے مقصد کیلئے زیادہ مفید نہیں ہیں۔ یہ عدالت یا دیوانی کی کوئی عدالت مذہب اسلام کی جج نہیں ہو سکتی اور نہ یہ فیصلہ کر سکتی ہے کہ شیعوں کا اعتقاد یا سنیوں کا اعتقاد صحیح ہے یا غلط اور نہ اس مقدمہ کا فیصلہ اس امر پر مبنی ہے فریقین نے اسلامی دینیات کی مستند کتابیں پیش کی ہیں کہ ان کے اعتقادات صحیح ہیں اور اسکے متعلق انکے مخالفین کے اعتقادات غلط ہیں۔ بس پوائنٹ پر فریقین کی شہادت کی اہمیت اس امر پر ہے کہ آیا شیعوں کا اعتقاد ایسے مذہبی جلوس اور اسکے متعلق دوسرے رسم جن کا مقدمہ میں وہ استقرار مانگتے ہیں صحیح خیالات پر ہیں یا نمائشی ہیں اور مدعا علیہم کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کی نیت سے کئے جاتے ہیں۔ اگر مدعیان ہم کو اس کا اطمینان دلا دیں جیسا

اکراونھوں نے اطمینان دلایا ہے کہ وہ اپنے اعتقادات کو زمانہ قدیم سے بجا لا رہے ہیں اور وہ ان پر شیعہ اسناد کی بنا پر عامل رہے ہیں اور یہ کہ تعزیہ اور لعن اور باجے زیر بحث بوجہ اعتقاد کی وجہ سے استعمال کئے جاتے ہیں تو اوسوقت عدالت کو اُس حق کی حفاظت کرنی پڑے گی اور استقرار دینا ہوگا خواہ ان کا اعتقاد کتنا ہی غلط خلاف عقل اور احمقانہ ہو۔ اگر واقعات کو اس روشنی میں دیکھا جائے تو فریقین مقدمہ نے اس حصہ پر جو زور دیا ہے وہ بیکار ہے۔ ایسی حالت کے ہوتے ہوئے یہ کہنا ناممکن ہے کہ مدعیان یہ تمام باتیں ایذا رسانی کیلئے کرتے ہیں یا تعزیرات ہند کے دفعات مذکورۂ بالا کے ماتحت کسی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اسکے متعلق کہ آیا ایسا فعل دل آزار ہوسکتا ہے یا نہیں آنریبل جسٹس مکرجی نے کافی طور پر قانون کے نکتہ پر ۱۹۳۱ء الہ آباد لا جرنل ۲۴ کے صفحات ۷۳۸ لغایت ۷۴۲ میں بحث کی ہے اور اسکا حوالہ دیا جاچکا ہے میں نے مذکورۂ بالا ان دفعات تعزیرات ہند کی احتیاط سے تشریح کی ہے اور اس پوائنٹ پر قابل وثوق اسناد کا غور سے مطالعہ کیا ہے اور یہ دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ آیا اس مقدمہ کے مدعیان کا رویہ کسی طور پر ان دفعات کے ماتحت آسکتا ہے یا نہیں اور میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ اس پوائنٹ پر مدعا علیہم کے موافق تجویز دینا ناممکن ہے جیسا کہ میں نے اوپر تحریر کیا ہے کہ واقعات سے اس امر کا یقین کرلینا غیر ممکن ہے کہ شیعہ اپنے کام کسی شخص کے مذہبی جذبات کے مجروح کرنے کی نیت سے کرتے ہیں یہ وہ سب اپنے ہیرو کی یادگار زندہ رکھنے کیلئے اور ان کی شہادت منانے کیلئے کرتے ہیں اگر ایسا کرنے میں ایک گروہ کے جذبات مجروح ہوتے ہیں تو یہ تنہا وجہ شیعوں کے افعال نزاعی کو روکنے کیلئے کافی نہیں ہوسکتے دفعہ ۱۵۳ الف کو نظر انداز کرتے ہوئے حاسدانہ نیت کے ساتھ عمداً دوسروں کے جذبات مذہبی کو مجروح کرنا تعزیرات ہند کی دوسری دفعات مذکورہ (۲۹۵ الف اور ۲۹۸) کا اصل مقصد ہے جہاں تک دفعہ ۱۵۳ الف تعزیرات ہند کا تعلق ہے ہم کو نوٹ کرنا ہے کہ وہ بیان (Explanation) جو اس میں منسلک ہے کافی طور پر اصل دفعہ کا زور ان معاملات کیلئے کم کر دیتا ہے جہاں پر کی تحریر یا تقریر بغیر کسی دشمنی کی نیت کے ایمانداری سے محفوظ کرلی جاتی ہیں (۱۹۲۷) ۴۶ کلکتہ لا جرنل (154 C.L.J.) رسالہ ورتمان کے کیس میں بھی جو کہ A.I.R. (۱۹۲۷) لاہور ۵۸۴ میں شائع ہوا تھا آنریبل براڈوے اور

آنریبل سکیمپ نے زیر دفعہ ۱۵۳ تعزیرات ہند معقول طور پر ملزم کو سزا دیتے ہوئے بھی ایسے موقعوں کو جہاں پر ایماندارانہ رائے کا اظہار مذہبوں اور اونکے بانی کے بارے میں بغیر کسی خراب نیت کے کیا جاتا ہے مستثنیٰ کر دیا ہے وہ ایک ایسا مقدمہ تھا جسمیں ایک آرٹکل "سیر دوزخ" کے نامہ نگار نے بہت بھدے اور گندے حملے نبی کی زندگی پر اور ان کی بیبیوں پر اور اون کے صحابیوں پر سخت ترین خلاف تہذیب اور ناپاک الفاظ میں کئے تھے وہ بیان کرتا ہے کہ نبی ان کی بی بیاں اور ان کے صحابی سب کے سب جہنم میں ہیں اور بہت بڑا عذاب برداشت کر رہی ہیں اوس نے بہت ہی برافروختہ طریقہ سے اور گندی زبان میں بیان کیا ہے کہ نبی اپنے تابعین کے مصلح ہونے کیلئے بالکل موزوں نہ تھے یہاں پر ایسا معاملہ نہیں ہے وہ سب کچھ جو شیعہ کرتے ہیں یہ ہے کہ وہ اپنے ہیرو کے انجام پر روتے ہیں اور غم کی زیادتی میں اون کے قاتلوں پر نفرین کرتے ہیں ایسے الفاظ میں کہ یزید اور اوسکے ساتھیوں پر جنھوں نے امام حسینؑ کو شہید کیا وہ خدا کی رحمت سے دور ہیں اور اوسکی لعنتیں اون پر ہوں۔ کیا یہ الفاظ گندے ناپاک اس لاہور رولنگ کے منشاء کے مطابق کہے جاسکتے ہیں؟۔ جج صاحبان نے اس مقدمہ میں تحریر کیا ہے کہ مجرم کا مقصد یا اوسکے مقصد کا کوئی حصہ یہ ہونا چاہیئے کہ وہ ایسے جذبات نفرت (feelings of enmity) کو پھیلائے اور اگر یہ اسکی نیت کا کوئی حصہ نہیں ہے تو محض احتمال سے کہ دشمنی اور نفرت کے جذبات کے پھیلانے کا رجحان تھا ناکافی ہے جج صاحبان نے آگے چل کر ہماری آنریبل ہائیکورٹ کے فل بنچ کے حسب ذیل مقولہ کو جو کہ مشہور چتر جیون کے مقدمہ کا تھا منظور کیا ہے۔ یہ مقدمہ ۱۹۲۷ء الہ آباد ۹۴۹ میں شایع ہوا تھا وہ یہ ماننا پڑیگا کہ ایسے ملکوں میں جہاں پر مذہبی آزادی ہے وہاں پر مذہب کے متعلق رائے کے آزادانہ اظہار کرنے میں اور مذہبی اعتقاد پر نکتہ چینی کرنے کیلئے ایک حد تک آزادی کا دیا جانا ضروری ہے لیکن یہ تبلایا گیا ہے کہ یہ سمجھنا تمام دلائل کے خلاف ہوگا کہ نکتہ چینی کی ایسی آزادی کو گندے اور ناپاک الفاظ کے استعمال کرنے کیلئے لائسنس سمجھی جاوے لاہور ہائی کورٹ کی یہ بنچ ان نظریوں کو نامنظور نہیں کرتی جو آنریبل دلیپ سنگھ نے مشہور رنگیلا رسول کیس میں قائم کئے تھے جو اس فیصلہ کے تھوڑے ہی دن قبل ہوا تھا اور

جس کی وجہ سے ملک میں کافی سنسنی پھیل گئی تھی اور یہ مقدمہ ۱۹۲۷ء میں لاہور ۵۹۰ میں شایع ہوا ہے اور اس سے اس مقدمہ میں مدعیان کی کافی مدد ہوتی ہے و چتر جیون کے مقدمہ کے فیصلہ میں جو کہ فل بنچ نے کیا ہے اور جو اے۔ آئی۔ آر (A.i.R ۱۹۲۳ء الہ آباد ۶۴۰ میں شایع ہوا تھا اس میں جج صاحبان کی رائے تھی کہ کالی چرن شرما کی کتاب کی زبان بہت ہی فحش تھی اور اس کتاب میں مصنف نے نبی کو شراب خواری وا ہمہ پرستی، بت پرستی، عیاشی اور جہالت کا مجرم بنایا تھا، صفحہ ۶۵ اور اس کی تمام زبان ناقابل۔ بد۔ ناپاک، تلخ، مشتعل کرنیوالی تھی۔ اس مقدمہ میں جج صاحبان نے مصنف کیخلاف نہایت مناسب رائے قائم کی تھی لیکن تب بھی دلیپ سنگھ صاحب جج سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ بہر حال اوس مقدمہ میں ملزم کے فوجداری سپرد ہوجانے کی وجہ سے آنریبل جسٹس دلال نے تنہا نشست میں ملزم کو سزایاب کر دیا اور وہاں پر جج صاحب موصوف نے آنریبل دلیپ سنگھ صاحب کے اصول کو تسلیم نہیں کیا (A. i. R ۱۹۲۷ الہ آباد ۶۹۵۔ لیکن میں نے اوپر بتلا دیا ہے کہ ان مقدموں میں ملزم کی زبان بہت بری تھی اور ان کی نسبت کوئی دوسری رائے ہونا دشوار تھا۔ یہاں اس مقدمہ میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے اس لئے میں اس نتیجہ پر نہیں آسکتا کہ مدعیان کا یہ فعل کوئی جرم ہے یا اس سے ایذارسانی کا جرم ہوتا ہے (علاوہ واقعات مذکورۂ بالا کے) اس مقدمہ کا ایک اور عام قانونی پہلو ہے جو کہ اس سلسلہ میں ظاہر کیا جانا مناسب ہوگا وہ یہ ہے مدعیان نے جو حقوق ہیں میرے خیال میں وہ (Law right common) پر مبنی کئے جاسکتے ہیں۔ Dicey نے اپنی کانسٹیٹیوشنل لا چھٹے اڈیشن کے صفحہ ۵۴۴ میں اس مضمون پر بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر شہری کو پبلک پلیس پر جانیکا اور وہاں پر کسی موضوع پر اپنی رائے کے اظہار کا عام قانونی حق حاصل ہے بشرطیکہ ایسا کرنے میں وہ خلاف قانون نہ کرتا ہو۔ ہر انفرادی ہستی یا جماعت کو کسی موضوع پر رائے کے آزادانہ اظہار کرنے کا اور حق مجلسی (Right of Assemblage) کا ذاتی حق حاصل ہے۔ ہر فرد یا افراد کی جماعت کو حق حاصل ہے کہ ہر شاہراہ عام پر آویں جاویں کیونکہ وہ اسی مقصد کیلئے ہی ہیں لیکن شاہراہ عام پر آنے جانے سے یہ مطلب نہیں ہے

کہ ان پر ہم خاموشی اختیار کرکے آدیں جاویں پھر فرد بشر کو سڑک پر بولنے کا حق حاصل ہے۔ جلوس ایک متحرک مجمع کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اس لئے ایسے جلوس کو وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو ایک فرد کو شاہراہ عام کے متعلق حاصل ہیں۔ ان سات مذکورہ بالا آدمیوں پر مدعیان کا لعنت بھیجنا جو قتل امام حسینؑ کے ذمہ دار ہیں انکے تواریخی کارناموں پر اظہار رائے کے سوا اور کچھ نہیں ہے اگر رائے کا یہ اظہار تبلیغی مقاصد کیلئے ہے یا مذہب کی بڑائی کرنے کیلئے ہے یا کسی ہیرو کی شہادت منانے کے لئے ہے یا مذہبی رسومات کے طور پر ادا کیجاتی ہے تو میرا خیال ہے کہ کوئی معقول اعتراض اس پر نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ اس اظہار رائے سے پبلک کے کسی طبقے کے مذہبی جذبات مجروح ہوں یا اس سے مذہبی دل آزاری ہو اسلئے ان دونوں تنقیحات میں میری رائے مدعیان کے موافق ہوتی ہے۔

تنقیح ۳

سکریٹری آف اسٹیٹس فار انڈیا اس مقدمہ میں ضروری فریق نہیں ہے۔ حکام ضلع نے دفعہ ۱۴۴ تعزیرات ہند کے ماتحت کارروائی کی ہے اور اس دفعہ کی رو سے ان کی کارروائی خواہ کتنی ہی غلط کیوں ہو ان حکام کے خلاف یا اُن کے افسر اعلیٰ سکریٹری آف اسٹیٹس کے خلاف کوئی بنائے مخاصمت نہیں ہو سکتی اسلئے میں اس تنقیح کا فیصلہ خلاف مدعا علیہم کرتا ہوں۔

تنقیح ۴

مدعیان کا معاملہ یہ ہے کہ مدعا علیہم مدعیان کے حقوق کا انکار کرتے رہے ہیں اور وہ مدعیان کے رسومات کی آزادانہ بجاآوری پر حکام ضلع سے نوٹس نکلواکر رکاوٹیں ڈالنے کے ذمہ وار رہے ہیں اسوجہ سے مدعیان مدعا علیہم کے خلاف بنائے مخاصمت (مقدمہ ہذا میں) قائم کرتے ہیں مدعا علیہم نے بہت سخت مخالفت کی تمام امور اور ان کے تمام حقوق کا انکار کرتے ہوئے واقعات کے ذرا ذرا سے جزیر خوب اچھی طرح سے لڑے ہیں یہ مقدمہ بہت زمانہ تک فاضل

سول جج کی پیشی میں رہا اور اس کی کچھ کارروائی ان کے سامنے ہوئی اور بقیہ میرے سامنے ہوئی مجھ کو اس مقدمہ کے فیصل کرنے میں اور کارروائی دیکھنے میں تقریباً پندرہ دن لگے اور میں نے معلوم کیا کہ فضا بہت مکدر تھی اور دونوں فرقوں کے بیچ سے لے کر پچاس اور کبھی کبھی اس سے زیادہ آدمی کمرہ عدالت میں اور اوسکے نزدیک رہتے تھے اور نہایت اشتیاق کے ساتھ دیکھتے رہتے تھے کہ مقدمہ میں کیا ہو رہا ہے جو کچھ میرے سامنے گذرا اس سے میرے داغ میں ذرا بھی شبہ اس امر کا باقی نہیں رہتا کہ سنی بحیثیت مجموعی مدعیان کے حق کا انکار کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں فصاحت حسین جو کہ مدعیان کے گواہ ہیں اقبال کرتے ہیں کہ سنیوں نے حکام ضلع کے پاس مدعیان کے جلوس کے طبل اور تاشہ کی شکایت کی جسکو حکام نے اپنے نوٹس زیر دفعہ ۴۴ سے روکدیا محمد ایوب گواہ مدعا علیہم نمبر ا بھی ثابت کرتے ہیں کہ مدعا علیہم نے مدعیان کے حق کا انکار کرنے میں دلچسپی لی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ مدعا علیہم کی طرف کے تمام گواہوں نے سوائے تین گواہوں کے جنھوں نے واقعات کے متعلق کچھ کہا ہی نہیں ہے مدعیان کے حقوق کا انکار کرتے ہیں مجھ کو نوٹ کرنا پڑتا ہے کہ ان لوگوں کے خلاف جو مدعیان کے حق کے انکار کرنے میں دلچسپی لیتے ہیں زیر دفعہ ۴۲ S.R. Act مقدمہ چلایا جا سکتا ہے۔ A. I. R. 1930 لاہور صفحہ 803 1917 مدراس 719 اور 31.C.W.N. 55 میرے نزدیک اس مقدمہ میں مدعیان کو فرقہ سنی کے خلاف بہت واضح بنائے مخاصمت ہے۔

تنقیح ۵

مدعا علیہم کی طرف سے یہ عذر کیا گیا ہے کہ اس کی تجویز عدالت کی بالکل رائے کے اوپر ہے اور مدعیان کا یہ حق نہیں ہے کہ ایسا حکم بطور مستقل حق کے طلب کریں اور چونکہ اس قسم کے استقرار حق کے ڈگری دینے سے نقض امن عامہ ہو سکتا ہے کیونکہ دونوں فرقوں کے جذبات مشتعل ہیں اسلئے عدالت کو استقرار نا منظور کرنا چاہیئے میرے خیال میں واقعات جو مدعا علیہم کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں ان سے عدالت دیوانی پر یہ اور وا جب ہو جاتا ہے کہ وہ فریقین کے قانونی حقوق کا قطعی طور پر فیصلہ کر دے اور حکام ضلع کے ہاتھوں میں

فریقین کے قانونی حق کا ٹھوس اعلان دیدے جیسا کہ شہادت مسل موجودہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام ضلع اتبک تاریکی میں تھے اور ان کے پاس کسی مستند عدالت کا فیصلہ اس بارے میں نہیں تھا کہ اس اختلافی مسئلہ میں مسلمان پبلک کے ان دونوں فرقوں کے قانونی حقوق کیا ہیں جیسا کہ مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قیود عام طور پر اون بعض لوگوں کے خلاف عائد رہے ہیں جن کو ان کی نسبت قانونی استحقاق رہا ہے اور اون بعض قانونی استحقاق کے دبانے کیلئے وہ قیود عائد ہوتے رہے ہیں جبکہ حاکم ضلع فریقین کے قانونی حقوق کو بغیر جانے ہوئے ایسا حکم نافذ کرتے ہیں جو پبلک کے ایک طبقہ کے قانونی حقوق کی بجاآوری میں رکاوٹ ڈالے تو اون سے جائز تکلیف ہوتی ہے اور آیندہ نقص امن کی وجہ کا بیّن ذریعہ ثابت ہوتا ہے ایک بڑا سلسلہ اس بات کا قائم ہوجاتا ہے کہ جبریہ احکام قانونی استحقاق کے خلاف جاری ہوتے ہیں جن کی وجہ سے نقص امن واقع ہوتا ہے اور اس نقص امن کے دبانے کیلئے پھر جبریہ احکام جاری ہوتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے جو ہم لوگوں کے سامنے گذرتا ہے کہ سال بہ سال نقص امن کسی نہ کسی شکل میں واقع ہوتے ہیں اور قانونی استحقاق دبانے کیلئے جدید انتظامات کئے جاتے ہیں۔ یہاں اس موضوع پر جو کچھ قانونی لٹریچر دستیاب ہوسکتا ہے اوسکے گہرے مطالعہ کے بعد میری رائے ہے کہ حکام ضلع نے جو حکم زیر دفعہ ۱۴۴ تعزیرات ہند قانونی حقوق کو بغیر جانے ہوئے نافذ کئے ہیں وہ ناکام تدارک رہے ہیں اور کبھی کبھی اون سے وہ بیماری اور بڑھ گئی ہے جسکے علاج کیلئے وہ اتنی نیک نیتی سے نافذ کئے گئے تھے۔ میری تجویز میں ایسے تمام جھگڑوں کے موقعوں میں جو کہ کسی طبقوں یا فرقوں کے درمیان عائد ہوتے ہیں حکام ضلع کو اپنی انتہائی کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ حکام قانونی سے معلوم کرلیں کہ حقوق قانونی کس فرقہ کے پاس ہیں اور جب اونکو ایک مرتبہ یہ معلوم ہوجائے تو اس پر کاربند ہوجائیں اور اس قانونی حقوق کو حکومت کی اس تمام طاقت کے ساتھ جو ان کو میسر آسکے حفاظت کریں ممکن ہے کہ اس سے ایک یا دو موقعوں پر دقتوں کا سامنا ہو لیکن (اسکے بعد) غیر یقین خود بخود اپنے حقوق پر قائم ہوجائیں گے اور امن وامان اختیار کرلیں گے جیسے پانی جب اسکو قدرتی حالت میں بہنے دیا جاتا ہے تو وہ اپنے اسی لیول پر خاموشی سے بہتا رہتا ہے۔ اس موضوع پر آنریبل ہائیکورٹ کے جج صاحبان کے نظریئے دینے کے بعد

میں اسس تجویز کو ختم کر دوں گا اور اونکے ان نظریوں کو جج صاحبان پریوی کونسل نے بھی منظور
کرلئے ہیں ان تمام احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ حکام ضلع اور پولیس اور مجسٹریٹ جو اپنے اختیارات
کو زیر دفعہ ۱۴۴ اور ۱۳۳ التعزیرات ہند اور دفعہ ۳۰ پولیس ایکٹ نمبر ۵ سنہ ۱۸۶۱ء کام میں لاتے
ہیں۔ اور انہیں دفعات قانونی کے ماتحت ان کو مداخلت کا حق حاصل ہے ملاحظہ ہو آنریبل جسٹس
بینیٹ ۱۹۳۱ الہ آباد لا جرنل ۲۴ صفحہ ۲۷۶) ان کو ہمیشہ اپنے اختیارات اوس شخص کے
موافق اور اوسکی حفاظت کیلئے صرف کرنے چاہئیں جسکو قانونی حق ملا ہے اور اُس شخص کے
دبانے میں صرف کرنا چاہئیں جو اوس حق میں مداخلت کرے لیکن سخت ضرورت کے موقعہ پر جبکہ
اونکی امداد قانونی حقوق کی حفاظت کیلئے ناکافی ہو اور نقص امن ہونے والا ہو اور
اچانک ایسے واقعات ان کے سامنے پیش آجاویں تب وہ وقتی طور پر حقوق قانونی کے بجا لانے
کو روک سکتے ہیں جج صاحبان مدراس ہائیکورٹ (۲ مدراس ۱۴۰) کی رائے حسب ذیل ہے
امن عامہ کو قائم رکھنے کے لئے اول : مجسٹریٹ کو مخصوص اختیار حاصل ہیں اور وہ
اختیارات خاص موقعوں کیلئے محدود ہیں۔ اوس کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ ہر شخص کی
اپنے حق قانون کی بجا آوری میں مدد کرے اور حفظ ما تقدم کے طور پر ان لوگوں کو روکے
جو کہ اوسکے حقوق میں مداخلت کریں۔ لیکن اگر وہ خیال کرتا ہے کہ حقوق کی قانونی بجا آوری
سے بلوہ ہو جائیگا تو پبلک کی بھلائی کو وقتی طور پر ذاتی حق پر ترجیح دے سکتا ہے اور
مجسٹریٹ کو اوسکی بجا آوری روکنے کا اختیار ہے۔ مجسٹریٹ کے اس اختیار کی مدت اتنی
ہی ہوگی جتنی کی ضرورت متقاضی ہو جس کی وجہ سے اوسکو ان اختیارات کو کام میں لانا
پڑا تھا وہی ہائیکورٹ دوسرے مقدمہ نمبر ۶ مدراس ۲۰۳ میں حسب ذیل فیصلہ دیتی ہے۔
جبکہ حقوق متنازعہ میں ہوں تو اُس شخص کو جو اُن کا اہل ہے اس پوری حفاظت کا مستحق ہے
جو قانون کر سکتا ہے بشرطیکہ موقع اجازت دے۔ اس بات کے ثابت کرنے میں کسی دلیل
کی ضرورت نہیں ہے کہ مجسٹریٹ کے اختیارات ان حقوق کی حفاظت میں صرف ہونے چاہئیں
نہ کہ اون کے روکنے میں اور خلاف قانون باتوں کے روکنے میں ہونی چاہئیں نہ کسی قانونی
حقوق کے ساتھ مداخلت کرنے میں . . . . . ایسا حکم جو ایسے موقعوں پر جاری کیا جاتا ہے
اس سے اس کا اقبال ہو جاتا ہے کہ بے قاعدگی ہونے کا احتمال ہے اور یہ کہ اُس موقعہ پر

حکومت ضلع پوری حفاظت نہیں کرسکتی جب ایسے احکام بار بار جاری ہوتے ہیں تو امن عامہ کا قیام کے متعلق احکامات کی قدر و قیمت اُن لوگوں کی نظروں میں جنکے حقوق کے ساتھ مداخلت کیجاتی ہے زیادہ واضح نہیں رہتی ۔ اور یہ اثر پیدا ہوتا ہے کہ احکام اوس جماعت کے مقابلہ میں جس سے زیادتی کا اندیشہ ہے کمزور ہیں اور اس کی وجہ سے یہ اثر پیدا ہوجاتا ہے کہ اسکی (قانونی استحقاق) مخالفت میں اسکے مثل طاقت کا مظاہرہ جس کی وجہ سے عدالت دیوانی کے فیصلے بیکار کر دیئے جاتے ہیں وہ سسدہ ہمء ء ۲ ۵ ۶ ۶ ۵. قانونی استحقاق کے منوانے کیلئے عدالت دیوانی میں چارہ جوئی کرنے کے بہ نسبت زیادہ کارگر ہوں گے ۔ جبکہ پبلک کے بڑے حصہ کے دماغ میں یہ اثر پیدا ہوجاتا ہے تو حقوق کی قانونی بجا آوری کی حفاظت کرنے کے انکار سے اور زیادہ سخت خطروں کا اندیشہ ہوتا ہے ایسے آدمی جن کو حکام کی اطاعت میں کراہیت ہوتی ہے ہر گروہ میں پائے جاتے ہیں مگر ایسے آدمی بھی جو عام طور سے حکام کے احکام کی فرمانبرداری کرنے کے شائق ہوتے ہیں ایسے لوگ بھی زیادتی کی وجہ سے اور ایسے بلوؤں کی مثالوں سے جن سے بلوائیوں کی کامیابی ہوجاتی ہے ان کے دماغ بھی دوسری طرف پھر جاتے ہیں ۔ جج صاحبان پریوی کونسل نے اوسکو منظور کرلیا ہے کہ یہ قانون کا صحیح اظہار ہے اور ہم کو جج صاحبان سے زیادہ بہتر الفاظ پولیس اور مجسٹریٹ کے اختیارات کے اظہار رائے کیلئے نہیں دستیاب ہوسکتے ۔ مدعیان کو یقیناً ان حقوق کا جن کا وہ دعوے کرتے ہیں حاصل کرنے کا حق ہے لیکن اس قانونی حق پر عمل کرنے میں ایسے موقعے پیش آسکتے ہیں جہاں پر پولیس اور مجسٹریٹ نقص امن کو روکنے کیلئے یا شارع عام کے روکے جانے کے خلاف ان حقوق کی ادائیگی پر پابندیاں عائد کرسکتے ہیں ۔ ان کو یہ حق استحقاقاً حاصل ہے اسوجہ سے ڈگری دینے میں ایک شرط کا اضافہ کرنا پڑتا ہے اس وجہ سے میں حسب ذیل ڈگری مدعیان کے موافق دیتا ہوں اور وہ آنریبل سلیمان اور آنریبل جسٹس ینگ کی اُس مقدمہ کی ڈگری کے خلاصہ کے مطابق ہے جوکہ ۱۹۳۱ ۔ الہ آباد لا جرنل ۲۶۳ میں شایع ہوا تھا۔

لہذا حکم ہوا کہ

مدعیان مقدمہ انفرادی حیثیت سے اور فرقہ شیعیان جونپور کے افراد کی حیثیت سے اپنے جلوس جن کا کہ اونھوں نے عرضی دعویٰ کے دادرسی الف میں حق مانگا ہے شہادت امام حسین کی یادگار میں تاشہ اور طبل اور نوحہ و ماتم کے ساتھ ان سات آدمیوں پر لعنت کہتے ہوئے جن کے نام عرضی نالش میں درج ہیں جونپور کی ہر گلی اور شاہراہ عام پر اور قاضی کی گلی میں جس کا اظہار دادرسی میں کیا گیا ہے لے جاسکتے ہیں۔ مدعیان کے حقوق کا استقرار مجسٹریٹ یا پولیس کے ہر اس حکم اور ہدایت کے ماتحت ہے جو کہ نقض امن عامہ یا شاہراہ عام کی روکاوٹ یا دوسرے معاملات جو دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری میں یا دوسرے قانونی دفعات میں مذکور ہیں یا ٹریفک کے ریگولیشن کے بارے میں نافذ ہوں۔ مدعیان اپنا خرچہ مدعاعلیہم سے پائیں گے۔"

دستخط

پنڈت ٹھاکر پرشاد دوبے

۲۰ جولائی ۱۹۳۸ء

ضمیمہ

(از جانب حقیر آغا جعفر کھجوی)

تبرا اور لعن کے متعلق منصف صاحب شہر جونپور کے فیصلہ سے آپ کی اچھی قابلیت اور حقیقت شناس نظر کا پورا پتا ملتا ہے۔ تبرا پر شروع سے آج تک ہر انسان۔ ہر قوم۔ ہر جماعت۔ ہر ملک۔ کاعمل رہا ہے اور اس وقت بھی ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو شخص برا ہو یا برا کام کرے اس سے الگ رہا جائے۔ آج ایک ملک کی طاقت دوسرے لوگوں پر زیادتی کرتی ہے اور کمزور اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے تو یہ اس سے ہر بات میں علحدگی اختیار کرتے ہیں۔ اسی کو انگریزی میں Non Cooperation عربی میں

تبرا فارسی میں علحدگی اور اردو میں الگ ہونا کہتے ہیں۔ مثلاً اٹلی نے طرابلس پر زیادتیاں کیں تو اکثر مقامات کے مسلمانوں نے اس سے ہر بات میں علحدگی کی۔ اسی طرح دوسرے ملکوں والے اپنے ظالموں کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہی شیعہ بھی کرتے ہیں کہ جنھوں نے ان پر یا ان کے پیشوایان دین یا ارکان مذہب پر حملہ کیا۔ یا ان پر ظلم و تعدی کی ان سے تبرا کرتے یعنی الگ رہتے ہیں کہ نہ ان کو مانتے ہیں۔ نہ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ نہ ان سے اپنا کوئی تعلق رکھتے ہیں۔ مسلمانوں سے کسی شخص کو اس میں کسی قسم کا عذر نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ خدا اور انبیاء و حضرت رسول خدا صلعم جس عمل کو کرتے رہے ہوں اس سے انکار کرنا جائز نہیں ہے۔ اور تبرا پر ان کل حضرات کا عمل رہا ہے جس کا نمونہ یہ ہے۔

خدا کا تبراء

خدا فرماتا ہے قل انما ھو الٰہ واحد واننی بریٔ مما تشرکون کہہ دو کہ وہ تو بس ایک ہی خدا ہے اور جن چیزوں کو تم خدا کا شریک بناتے ہو میں ان سے علحدہ ہوں۔ (پارہ ۷ رکوع ۸)۔ براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین۔ جن مشرکوں سے عہد تھا اب خدا اور اسکے رسول کی طرف سے ان سے ایکدم علحدگی ہے (پارہ ۱۰ ع ۷)۔ انتم بریئون مما اعمل وانا بریٔ مما تعملون۔ جو کچھ میں کرتا ہوں اس سے تم الگ ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے میں الگ ہوں (پ۱۱ ع ۱۰) قل ان افتریتہ فعلی اجرامی وانا بریٔ مما تجرمون۔ کہہ دو اگر میں نے اس کو گڑھا ہے تو میرے گناہ کا وبال مجھ پر ہوگا اور تم جو گناہ کرتے ہو اس سے میں الگ ہوں (پ۱۲ ع ۳)

انبیاء کا تبراء

واذ قال ابراھیم لابیہ وقومہ اننی براء مما تعبدون جب ابراہیم نے آزر اور اس کی قوم سے کہا کہ جن کو تم پوجتے ہو میں ان سے الگ ہوں (پ۲۵ ع ۷)۔ قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوا لقومھم انا برآؤا منکم و مما تعبدون من دون اللہ۔ مسلمانو تمھارے واسطے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کے قول و فعل کا اچھا نمونہ موجود ہے کہ جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور ان بتوں سے جنھیں تم خدا کے سوا پوجتے ہو الگ ہیں (پارہ ۲۸ ع ۷)۔ فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرأ منہ ان ابراھیم لاواہ حلیم۔ جب حضرت ابراہیم کو معلوم ہوگیا کہ وہ یقینی خدا کا دشمن ہے تو اس سے تبرا کیا۔ بے شک ابراہیم بڑے دردمند بردبار تھے (پ۱۱ ع ۳)

قیامت والوں کا تبراء

قیامت میں بھی لوگ تبرا کرینگے اور خدا و رسول و فرشتے

اُن کو اسیا رنے دینگے۔ خدا فرماتا ہے۔ اذ تبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورأوا العذاب وتقطعت بھم الاسباب وقال الذین اتبعوا لو ان لنا کرۃ فنتبرأ منھم کما تبرؤا منا کذٰلک یریھم اللہ اعمالھم حسرات علیھم وما ھم بخارجین من النار۔ وہ کیا سخت وقت ہوگا جب پیشوا لوگ اپنے پیروؤں سے تبرا کریں گے اور عذاب دیکھیں گے اور ان کے باہمی تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ اور پیرو کہیں گے کہ اگر ہمیں پھر دنیا میں واپس جانا ملے تو ہم بھی ان پیشواؤں سے اسی طرح تبرا کریں جس طرح یہ ہم سے تبرا کر رہے ہیں۔ اسی طرح خدا ان کے اعمال کو سراپا یاس دکھائیگا اور وہ کبھی جہنم سے نکل نہیں سکتے۔ (پ۲ ع۴) خدا یہ تبرا بازی دیکھیگا اور ان کی تائید کرے گا کیونکہ فرماتا ہے کہ خدا ہی ان کے اعمال کو اس طرح دکھائے گا۔ قال الذین حق علیھم القول ربنا ھؤلاء الذین اغوینا اغوینٰھم کما غوینا تبرأنا الیک ما کانوا ایانا یعبدون۔ وہ لوگ جو ہمارے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں قیامت کے روز کہدینگے اے پروردگار یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے گمراہ کیا تھا۔ جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے ان کو بھی گمراہ کیا۔ اب ہم تیری بارگاہ میں ان سے تبرا کرتے ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے (پارہ ۲۰ ع ۱۰)

لعنت کرنا لعنت کرنا بھی خدا و رسول و ملئکہ کا فعل ہے۔ اس سے بھی کسی مسلمان کو انکار کرنے کا حق نہیں ہے۔ خدا فرماتا ہے ان علیھم لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین۔ ان لوگوں پر اللہ اور فرشتوں اور تمام آدمیوں کی لعنت ہوتی رہتی ہے (پ۲ ع۱۷) لعنھم اللہ فاصمھم واعمٰی ابصارھم۔ ان پر خدا نے لعنت کی ہے اور وہ بہرے اندھے ہوگئے ہیں (پارہ ۲۶ ع ۷)۔ لعنۃ اللہ علی الظالمین ظلم کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہوتی رہتی ہے (پ۱۲ ع۲)۔ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ۔ جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کو اذیت پہونچاتے ہیں یا پہونچائینگے خدا ان لوگوں پر یقیناً دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا اور ان کے لئے ذلیل کرنیوالا عذاب تیار کر رکھا ہے (پ۲۲ ع۴) [1] اس سے واضح ہوا کہ حضرت رسولخدا کو اذیت دینے والوں

[1] شیعہ اپنے فعل کی زبردست دلیل اسی آیت کو پیش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)

پر خدا لعنت بھی کرتا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب بھی تیار کر رکھا ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶) رسول خدا صلعم کو اذیت پہونچائی ان پر خدا لعنت کرتا رہتا ہے تو ہم لوگ کیوں ایسا نہ کریں؟ خدا کا کوئی فعل برا تو ہو نہیں سکتا ۔ اور ہم لوگوں کا فرض ہے کہ ہر اچھا کام کریں اسوجہ سے جن لوگوں نے حضرت رسولخدا صلعم کو اذیت پہونچائی ان پر ہمیں لعنت بھی ضرور ہی کرنی چاہیئے ۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سواد اعظم کی صحیح ترین اور نہایت معتبر کتابوں میں موجود ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا فاطمۃ بضعۃ منی من اذاھا فقد اذانی ومن اغضبھا فقد اغضبنی فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو اسے اذیت پہونچائیگا وہ مجھے بھی اذیت پہونچائیگا اور جو اسے غضبناک کرے گا وہ مجھے بھی غضبناک کریگا ۔ فوجدت فاطمۃ علے ... فی ذلک فھجرتہ فلم تکلمہ حتے توفیت ۔ جناب فاطمہ حضرت اول پر غضبناک ہوئیں اور مرتے وقت تک ان سے نہیں بولیں (صحیح بخاری کتاب المغازی صفحہ ۵۳۴ و صحیح مسلم کتاب الجہاد صفحہ ۹۱) ۔ یہ بھی فرماتے تھے فاطمۃ بضعۃ منی یریبنی ما ارابھا ویؤذینی ما اذاھا ۔ فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو اس کو ستاتا ہے وہ مجھے بھی ستاتا ہے اور جو اس کو اذیت پہونچاتا ہے وہ مجھے بھی اذیت پہونچاتا ہے (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۶) شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے تحریر فرمایا ہے "کل مصیبتوں سے زیادہ سخت اور مشکل قضیہ جناب فاطمہ زہراؑ کا ہے اسلئے کہ اگر کہیں کہ وہ اس حدیث سے جس کو اول صاحب نے بیان کیا ناواقف تھیں تو بعید از عقل ہے کہ آپ بالکل بے خبر رہیں ۔ اور اگر مان لیں کہ شاید رسولؐ سے فاطمہ کو اس حدیث کے سننے کا موقع نہیں ملا تو اور زیادہ مشکل پڑتی ہے کہ جب آپنے اس حدیث کو حضرت اول سے سن لیا اور باقی صحابہ نے گواہی بھی دی پھر کیوں نہ اس کو صحیح جانا اور کس وجہ سے غضبناک ہو گئیں؟ اور اگر آپ کا غصہ حدیث مذکور کے سننے سے پہلے ہوا تھا تو سننے کے بعد کیوں غصہ کو ترک نہیں کیا؟ جس نے اس قدر طول کھینچا کہ جب تک آپ زندہ رہیں حضرت اول سے بول چال سب ترک ہی رکھی" (اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوۃ شریف فصل ۳ جلد ۳ صفحہ ۲۴۶) ۔ زمانہ حال کے شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی نے ... (فاطمہ) نے ... وغیرہ سے بات چیت کرنی چھوڑ دی ۔ مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے ... دفن کرنا اور یہ لوگ میرے جنازے پر نہ آنے پائیں ۔ کس بلا کا غصہ ہے خدا کی پناہ (ازالۃ الامۃ صفحہ ۹۹) ۔ ۱۲ منہ

نام لیکر لعنت کرنا

اس مقدمہ کے مدعا علیہم حضرات نے تبرا رد کرنے کا ایک عذر یہ بھی بیان کیا کہ "نام لیکر لعنت بھیجنا جرم ہے"۔ جو بڑے تعجب کی بات ہے۔ نام لیکر لعنت کرنا بھی انہیں حضرات کی کتابوں میں بہت کثرت سے بھرا ہوا ہے۔ صرف چند مثالیں بطور نمونہ بیان کیجاتی ہیں۔ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے اللھم العن شیبۃ بن ربیعہ وعتبۃ بن ربیعۃ وامیۃ بن خلف۔ اے خدا تو شیبہ فرزند ربیعہ۔ وعتبہ پسر ربیعہ اور امیہ ولد خلف پر لعنت کرتا رہ (صحیح بخاری پ ص ۲۳۷)۔ قال رسول اللہ یوم احد اللھم العن ابا سفیان۔ اللھم العن سہیل بن عمرو۔ اللھم العن صفوان بن امیۃ۔ حضرت رسول خدا صلعم غزوۂ احد کے دن فرماتے تھے اے خدا تو ابوسفیان۔ سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ پر لعنت کرتا رہ (تفسیر در منثور جلد ۲ ص)

قالت عائشۃ ولکن رسول اللہ لعن ابا مروان ومروان فی صلبہ فمروان فضض من لعنۃ اللہ۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے مروان کے باپ پر لعنت کی جب کہ مروان اس کی پشت میں تھا۔ تو مروان اللہ تعالیٰ کی لعنت سے حصہ لیتا رہا ہے (تاریخ الخلفا ص ۱۳۵)

انہ لعن الحکم وما یخرج من صلبہ۔ حضرت رسولخدا صلعم نے حکم پر اور اس کی کل اولاد پر لعنت کی ہے (تطہیر الجنان ص ۴۲) قالت عائشۃ لعن اللہ عمرو بن العاص۔ حضرت عائشہ نے کہا خدا عمرو بن العاص پر لعنت کرے۔ (مستدرک)۔ حضرت عائشہ ایک خلیفہ رسول کے بارے میں فرماتی تھیں لعن اللہ نعثلا وقتل نعثلا۔ اللہ اس نعثل پر لعنت کرے اور اسکو قتل کرے (روضۃ الاحباب جلد ۳ ص ۱۲) فقال سمرۃ لعن اللہ معویۃ واللہ لو اطعت اللہ کما اطعتہ ما عذبنی ابدا۔ معویہ کے گورنر سمرہ کہتے تھے کہ خدا معویہ پر لعنت کرے۔ اگر میں خدا کی اطاعت اسقدر کئے ہوتا جتنی معویہ کی اطاعت کی ہے تو خدا مجھے کبھی عذاب نہیں کرتا (تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۹۵)۔ علامہ محمد عقیل نے لکھا ہے

وقد لعن عمر بن الخطاب خالد بن الولید حین قتل مالک بن نویرہ۔ جب خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کو قتل کیا تو حضرت عمر بن الخطاب (خلیفہ دوم) نے خالد پر لعنت کی (النصائح الکافیہ ص ۱۱) اور علامہ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ صاحب نے فرمایا لعن اللہ عمرو بن عبید۔ خدا لعنت کرے عمرو بن عبید پر (شرح فقہ اکبر ص ۴۳)۔ اور حضرت ابوبکر کے فرزند ارجمند جناب محمد نے معویہ کے پاس ایک خط بھیجا اس میں یہ بھی لکھا تھا انت اللعین ابن اللعین۔ تم ملعون ہو اور تمہارا باپ بھی ملعون تھا۔ (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ ص ۷۹) اور جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے لکھا ہے مروان علیہ اللعنۃ را بد گفتن وبدل ازو بیزار بودن از جملہ فرائض ایمان است یعنی مروان ملعون کو برا کہنا اور اس سے بیزاری کرنا ایمان کے فرائض سے ہے۔ (فتاوی عزیزی جلد ۱ ص ۱۸۱)

فرار اڈیٹر النجم — مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ کا جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ مدیر رسالہ اصلاح سے مناظرہ کیلئے آنا اور بغیر مناظرہ شرمناک فرار اختیار کرنا قابل دید ہے۔ قیمت ۴ر

فتح مبین — اس رسالہ میں بھی اڈیٹر النجم کے مناظرہ سے فرار کرنے اور ضلع سارن کے مشہور عالم اہلسنت مولوی حکیم فتح محمد صاحب کے شیعہ ہوجانے کا دلچسپ تذکرہ ہے۔ قیمت ۴ر

فتح الرحمان — اڈیٹر النجم کا دوبارہ مولانائے ممدوح سے مناظرہ کی ہمت کرنا اور فرار کرنا۔ قیمت ۲ر

فتح القدیر — اڈیٹر النجم نے بمبئی میں جاکر شیعوں سے جو مناظرہ کیا اسپر مفصل تبصرہ قابل دید ہے۔ قیمت ۳ر

قول کریم — ایک سنی عالم کا اڈیٹر النجم پر اعتراض کہ خود اہلسنت کی کتابیں تحریف قرآن کے مضامین سے بھری ہیں پھر تم کیوں شیعوں پر اعتراض کرتے ہو۔ قابل دید ذخیرہ ہے جسمیں پوری تحقیق معہ حوالہ جات ثابت کردیا گیاہے کہ اہلسنت تحریف قرآن کے قائل ہیں اور ان کی کتابوں سے قرآن کی تحریف اسطرح واضح ہے کہ کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ آجتک اڈیٹر النجم سے بھی اس کا جواب نہیں ہوسکا۔ قیمت عہ

معراج شہادۃ — شہادۃ امام حسینؑ کے متعلق خان بہادر سید خیرات احمد صاحب وکیل گیا مصنف کتاب "نور ایمان" کا زبردست رسالہ بہت دلچسپ مفید اور بصیرت افروز ہے۔ قیمت ۲ر

مشعل ہدایت — جناب حاجی سید اظہار حسنین صاحب بی۔ اے مجسٹریٹ ہزنتر کھجوا کی مشہور اور زبردست تحقیقی کتاب جسمیں دکھایا ہے کہ خدا اپنے کلام پاک میں رسولؐ اور ان کے آل واصحاب کیلئے کیا فرماتا ہے۔ اور قرآن مجید سے آل اطہار کا کیا پایہ ثابت ہوتا ہے اور اصحاب کس مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور ان تمام حقائق کی موجودگی میں امت پر کس کی پیروی اور کس حد تک فرض ہے۔ غرض بہت ہی قابل قدر کتاب ہے۔ بحیثیت مجسٹریٹ آپنے سنی شیعہ کے اختلافات کا فیصلہ بھی کمال انصاف سے کیا ہے حجم ۲۱۶ صفحہ قیمت صرف عہر

وضو میں پاؤں پر مسح کرنا — فرقہ اہلقرآن نے جو پنجاب میں پیدا ہوا ہے قرآن مجید سے دکھانا چاہا تھا کہ وضو میں پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ اسکے جواب میں دفتر اصلاح سے امتحان اہلقرآن و قول فیصل شایع کرکے ثابت کردیا گیا کہ قرآن مجید وضو میں پاؤں پر مسح کرنے ہی کا حکم دیتا ہے۔ اس تحقیق سے یہ رسالے لکھے گئے کہ اہلقرآن کو بھی ماننا پڑا۔ قیمت ۴ر

اسلامی خدا — توحید خدا کو آیات قرآن مجید سے بہت مفصل اور جامعیت سے ثابت کرکے واضح کردیا ہے کہ جسطرح اسلام خدا کی توحید سکھاتا ہے دنیا کا کوئی فرقہ نہیں سکھا سکتا۔ قیمت ۸ر

المشتہر:- منیجر اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

آل و اصحاب اس رسالہ میں دکھایا ہے کہ اہلبیت طاہرینؑ کے ساتھ صحابہ رسولؐ کا سلوک کیسا تھا۔ ان لوگوں نے امانت رسولؐ کے ساتھ کس درجہ بے رُخی کی۔ واقعۂ کربلا کے وقت کتنے صحابہ موجود تھے مگر انھوں نے ادھر ذرہ برابر توجہ نہیں کی۔ حالانکہ وہ مدد کرتے تو امام مظلوم شہید نہ ہوتے نہایت مفید اسلامی تاریخی تحقیقات کا ذخیرہ ہے۔ قیمت ۱۲/

جواب شرر مسٹر عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی نے حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کا بہت فحش اور گندہ ناول لکھ کر مسلمانوں کے دلوں میں آگ لگا دی تھی۔ اس کا مفصل جواب اور تاریخی تحقیقات کا بے مثل خزانہ تیسری دفعہ چھپا ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

صاحب العصر والزمان حضرت حجتؑ کے وجود اور غیبت کی بہت زبردست دلیلیں اور قادیانی فرقہ نے حضرتؑ کے بارے میں جو اعتراضات کئے ہیں انکا مفصل اور تشفی بخش جواب قیمت ۱۲/

عقل و تہذیب اہلحدیث فرقہ اہلحدیث کی عقل۔ تہذیب۔ انسانیت۔ مذہب اور خصوصاً انکے علماء و پیشوایانِ دین کے قابل مضحکہ حالات کا مکمل مجموعہ۔ قیمت ۱۲/

فتنۂ شبلی شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ میں لکھا تھا کہ معاذ اللہ جناب امیرؑ نے بھی ایک دفعہ شراب پی تھی اس کی مفصل اور محققانہ رد کر کے اس روایت کی دھجیاں اڑا دی گئی ہیں۔ قیمت ۸/

تحریف قرآن کے بارے میں اہلسنت اعتراض کرتے ہیں۔ رسالہ حد السارق میں پوری تحقیق اور جامعیت سے ثابت کر دیا ہے کہ تحریف قرآن کے قائل اہلسنت ہیں اور انکی کتابوں سے یہ اس طرح واضح ہو کہ کوئی انکار نہیں کر سکتا

مسئلۂ فدک سنی شیعہ کے درمیان بہت زبردست بحث ہے۔ نواب محسن الملک بہادر نے شیعوں کے خلاف آیات بینات میں بہت زور لگایا ہے اس کا مفصل جواب کمال تحقیق سے لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب شیعوں کیلئے نعمت عظمیٰ ہے۔ جلد اول ۸/ جلد دوم ۸/ جلد سوم عار جلد چہارم عہ/

مقدمہ نہج البلاغہ بعض اہلسنت کہتے ہیں کہ نہج البلاغہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا کلام نہیں ہے اس کتاب میں نہایت تحقیق و جامعیت سے اسکو حضرتؑ کا کلام ثابت کیا گیا ہے قیمت ۱۲/

ہندو پنڈت کا رسالہ خلافت ایک ہندو پنڈت ہرنام صاحب نے مسئلہ خلافت و امامت پر وہ زبردست تحریر شائع کی ہے جس سے مذہب شیعہ کی حقیقت مثل آفتاب روشن ہے۔ اس رسالہ نے برادران اہلسنت میں زلزلہ ڈال دیا۔ اصلاح کو دو جدید خریدار دیجئے یہ کتاب مفت طلب کر لیجئے۔

کھجوا
(سید غازی الدین حیدر نے مطبع اصلاح کھجوا میں چھاپ کر شائع کیا)